الفوز الکبیر

فی

اصول التفسیر

(اُردو)

جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی گئی ہے

تالیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی رح

مترجم

مولوی رشید احمد صاحب انصاری

قدیمی کتب خانہ - مقابل آرام باغ - کراچی

الفوز الکبیر

فی

اصول التفسیر

(اُردو)

جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی گئی ہے

تالیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مترجم

مولوی رشید احمد صاحب انصاری

قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی

فہرست مضامین

اس بندۂ ضعیف پر خداوند تعالے کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت یہ ہے کہ اُس نے مجھکو قرآن مجید کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی اور حضرت رسالت پناہ کے احسانات اس کمترین امت پر بہت ہیں جن میں سب سے بڑا احسان قرآن مجید کی تبلیغ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تلقین قرنِ اول کو فرمائی اور انہوں نے قرن ثانی تک پہنچائی اور اسی طرح درجہ بدرجہ ہو کر اس خاکسار کو بھی اُس کی روایت اور درایت سے حصہ ملا۔ اللّٰہم صلِّ علیٰ ہذا النبی الکریم سیدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک و ایمن برکاتک و علیٰ آلہ و اصحابہ و علماء امتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اما بعد گنہگار فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم خدا ان دونوں سے اپنی مہربانی کے ساتھ معاملہ کرے کہ جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کو کارآمد ہو سکتے ہیں ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے خداوند تعالیٰ کی عنایت بیغایت سے اُمید ہے کہ طالب علموں کو صرف ان قواعد کے سمجھ لینے سے ایک وسیع شاہ راہ کتاب اللہ کے سمجھنے میں کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے جن کی تعداد اِس زمانہ میں بہت ہی کم ہو گئی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی اور میں نے اس

رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و ہو حسبی و نعم الوکیل۔
اس رسالہ کے مقاصد پانچ باب میں منحصر ہیں۔
(۱) پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں جن کی طرف قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ رہنمائی کی ہے اور گویا کہ قرآن مجید کے نزول کا مقصد در اصل وہی علوم پنجگانہ ہیں۔
(۲) دوسرا باب وجوہ خفاء نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کے ساتھ۔
(۳) تیسرا باب نظم قرآنی کے لطائف اور اُس کے اسلوب بدیع کی تشریح بقدر طاقت بشری
(۴) چوتھا باب فنون تفسیر کے بیان میں۔

بَابُ اوّلُ

اُن علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن عظیم نے صراحت کے ساتھ ان کو بیان کیا ہے

جاننا چاہئے کہ معانی جو قرآن مجید سے مفہوم ہوتے ہیں وہ پانچ علموں سے باہر نہیں ہیں:
اول علم احکام از قسم واجب مستحب مکروہ اور حرام یہ احکام خواہ عبادات میں سے ہوں یا معاملات میں سے تدبیر منزل سے متعلق ہوں یا سیاست مدن سے اس علم کی تفصیل فقہا کے ذمہ ہے دوم علم مناظرہ چاروں گمراہ فرقوں کے ساتھ مثلاً یہود۔ نصاریٰ ۔ مشرکین اور منافقین اس علم کی تفریع متکلمین کا کام ہے۔ سوم علم تذکیر بآلاء اللہ مثلاً زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور بندوں کو ان کی ضروریات کا الہام کرنے اور نیز خداوند تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان چہارم علم تذکیر بایام اللہ یعنی اُن واقعات کا بیان جن کو خداوند تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً اطاعت کرنے والوں کو انعام و جزا اور مجرموں کے لئے تعذیب و سزا۔ پنجم علم تذکیر موت اور اس کے

بعد کے واقعات کا بیان مثلاً حشر و نشر حساب میزان دوزخ جنت۔ اِن علوم کی تفاصیل کو محفوظ رکھنا اور ان کے مناسب احادیث اور آثار ملحق کرنا واعظوں اور مذکروں کا کام ہے۔

قرآن مجید میں اُن علوم کا بیان قدیم عربوں کی روش پر ہوا ہے متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ اور آیات احکام میں اختصار جیسا کہ متن نویسوں کا قاعدہ ہے اور غیر ضروری قیود کی تنقیح کا التزام جیسا کہ اصول والوں کا قاعدہ ہے نہیں کیا اور علم مباحثہ کے آیات میں اقوال مشہورہ مسلمہ اور خطابیات نافعہ کا التزام کیا ہے اور ترتیب براہین میں منطقیوں کے اسلوب کی پیروی اور ایک مضمون کے بعد دوسری مضمون کے شروع کرنے میں مناسبت کی رعایت جیسا کہ اُدبائے متاخرین کا قاعدہ ہے نہیں کی گئی بلکہ خداوند تعالےٰ نے جس حکم کو بندوں کے لئے مہتم بالشان سمجھا اُسی کو بیان کیا۔ خواہ کوئی حکم مقدم ہو جائے یا مؤخر۔ عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصہ کے ساتھ ربط دیا ہے اور اس قصہ کو اس آیت کیلئے سببِ نزول مانا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ نزول قرآن سے مقصود اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور اُن کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے۔ اس لئے آیات مباحثہ کے نزول کے لئے مکلفین میں عقائدِ باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لئے ان میں اعمالِ فاسدہ اور مظالم کا شیوع۔ اور آیات تذکیر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ و ایام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے ہولناک واقعات کے بیدار نہ ہونا اصلی سبب ہوا ہے۔ خاص خاص واقعات جن کو بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے۔ مگر صرف بعض آیات میں جہاں پر کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا اُس سے پیشتر واقع ہوا ہو کیوں کہ سننے والے کے دل میں اُس اشارہ سے اک گہرا انتظار پیدا ہو جائے گا جو بدون قصہ کی تفصیل معلوم کئے زائل نہ ہو گا بدیں وجہ ہم پر لازم ہے کہ ان علوم (التفسیر) کی اس طرح تفصیل کریں کہ خاص خاص (یعنی بے تعلق) واقعات کے بیان کرنے کی تکلیف نہ کرنی پڑے۔

پہلی فصل

علم مباحثہ کے بیان میں

قرآن مجید میں چاروں گمراہ فرقوں سے مباحثات ہوئے ہیں یعنی مشرکین[1] یہودی[2] نصاریٰ[3] اور منافقین۔ اور یہ مباحثے دو طرح پر واقع ہوئے ایک[1] تو یہ کہ فقط باطل عقیدہ کو بیان کرکے اور اس کی قباحت کو ظاہر فرما کر اس سے نفرت ظاہر کرتے ہیں۔ دوسرے[2] یہ کہ گمراہوں کے شبہات کو بیان کرکے اُن کو اولہ قطعیہ یا خطابیات سے حل کرتے ہیں۔ مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے ہیں حنیف اس کو کہتے ہیں جو ملت ابراہیمی کا پابند اور اس کے علامات کو سختی کے ساتھ اختیار کرنیوالا ہو۔ ملت ابراہیمی کی علامات یہ ہیں۔ حج کعبہ۔ استقبال کعبہ۔ غسل جنابت۔ ختنہ۔ اور باقی فطری خصائل، اشہر حرم (شوال ذیقعدہ ذی الحجہ کی حرمت) مسجد حرام کی تعظیم نسبی اور رضاعی محرمات کو حرام جاننا اور عام جانوروں کا ذبح حلق میں اور اونٹ کا نحر لبہ میں اور ذبح او نحر سے خدا تعالےٰ کی رضا جوئی خصوصاً حج کے زمانہ میں اور ملت ابراہیمی میں وضو نماز اور روزہ طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک۔ اور یتیموں اور فقیروں کو صدقہ دینا۔ اور مشکلات میں اُن کی اعانت کرنا اور صلہ رحم شروع تھا۔ اور مشرکین کے یہاں ان امور کے کرنے والے کی مدح سرائی کی جاتی تھی۔ لیکن مشرکین نے عام طور پر ان امور کو ترک کر دیا تھا اور ان میں یہ خصائل کان لم یکن ہو گئے تھے اور قتل چوری زنا اور ربا اور غصب کی حرمت بھی اصل ملت میں ثابت تھی اور ان افعال پر اُن کے یہاں کچھ نہ کچھ اظہار نفرت بھی جاری تھا۔ لیکن جمہور مشرکین ان کو کرتے اور نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے تھے اور خدا تعالےٰ کے وجود کا عقیدہ اور اس بات کا کہ وہ آسمان اور زمین کا خالق ہے اور زبردست حوادث کا مدبر اور رسولوں کے بھیجنے پر قادر اور بندوں کو ان کے

اعمال کی جزا دینے والا اور حوادث کو اُن کے وقوع سے پیشتر معین کرنے والا۔ اور یہ کہ فرشتے خدا کے مقرب بندے اور تعظیم کے مستحق ہیں۔ ان کے نزدیک ثابت تھا۔ چنانچہ اُن کے اشعار ان مضامین پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر جمہور مشرکین نے ان عقائد میں بہت سے ایسے شبہات کو جو کہ ان امور کے استبعاد اور ادراک کی طرف رغبت نہ ہونے سے پیدا ہوتے تھے بہم پہنچائے تھے۔ مشرکین کی گمراہی یہ تھی کہ وہ شرک اور تشبیہ اور تحریف کے قائل اور معاد کے منکر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بعید از قیاس کہتے اور اعمال قبیحہ اور مظالم علانیہ کرتے اور نئے نئے فاسد رسوم ایجاد کرتے اور عبادات کو مٹاتے تھے۔

شرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لئے اُن صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ کیساتھ مختص ہوں مثلاً عالم کے اندر تصرفات ارادی جس کو کُن فیکون سے تعبیر کرتے ہیں۔ یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ حواس کے ذریعہ ہے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا جس کے باعث سے اس کو تنگدستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں۔ یا رحمت بھیجنا جس سے اسکو فراخ دستی تندرستی اور سعادت حاصل ہو مشرکین بھی جواہر اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں جانتے تھے ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالیٰ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو کسی میں اُس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے بلکہ ان کا شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے۔ ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں اور بعض امور خاصہ کے فیصل کرنے میں جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہو اُن کو مختار بنا دیتے ہیں اور اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے اور اپنی کل رعایا کو حکام کے سپرد کر دیتے ہیں اور حکام کی سفارشیں اُن کے ماتحت ملازمین اور

متوسلین کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔ ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جل مجدہ نے بھی اپنے خاص بندوں کو رتبۂ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے اور ایسے لوگوں کی رضامندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے اس لئے وہ ان بندگانِ خاص کے تقرب کو ضروری خیال کرتے تھے تاکہ بادشاہِ حقیقی کی درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور جزاء اعمال کے وقت اُن کے حق میں شفاعت درجۂ قبولیت حاصل کرے۔ اور ان خیالی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ اُن کو سجدہ کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا اور اُن کے نام کی قسم کھانا اور ضروری امور میں ان کی قدرتِ کُن فیکون سے مدد لینا جائز سمجھتے تھے اور پتھر، پیتل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بنا کر اُن (بندگانِ خاص) کی روحوں کیطرف متوجہ ہونیکا ایک وسیلہ قرار دیا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جہلائے نے اُن پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور خلطِ عظیم واقع ہوا۔

اور تشبیہ سے مراد ہے صفاتِ بشریہ کو ذاتِ پاک کے لئے ثابت کرنا۔ چنانچہ مشرکین ملائکہ کو خدا تعالےٰ کی بیٹیاں بتلاتے اور کہتے تھے کہ وہ اپنے بندوں کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اگرچہ اس کی مرضی کے خلاف ہو جیسا کہ بادشاہ بڑے بڑے امرائے دولت کی نسبت گاہ گاہ کیا کرتے ہیں اور چونکہ ایسے علم و سمع و بصر کا ادراک جو کہ شانِ الوہیت کے لائق ہو اُن کے ذہن میں نہ آسکتا تھا اس لئے انھوں نے اُس کو بھی اپنے علم و سمع و بصر پر قیاس کر لیا اور خدا تعالےٰ کی جسمیت اور حیز کے قائل ہو گئے۔ اور تحریف کا واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد اپنے بزرگوار دادا کی شریعت پر برابر قائم چلے آتے تھے حتی کہ عمرو بن لحی[1] لعنۃ اللہ علیہ نے پیدا ہو کر اُن کے لئے بت بنائے اور ان کی عبادت کو لازم قرار دیا اور بحیرہ[2]

---

[1] دیکھو سیرۃ ابن ہشام جلد اول ۱۲ مترجم

[2] بحر عربی زبان میں کان چھدنے کو کہتے ہیں۔ اور بحیرہ سے وہ اونٹنی مراد ہے جو پانچ بچے جن چکی ہو۔ پانچواں بچہ اگر نر ہوتا تو اس کو ذبح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتیں اس میں شریک نہ ہوتی تھیں اور وہ بچہ مادہ ہوتا تو اس اونٹنی کا کان کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے ۱۲ مترجم

اور سائبہ[1] اور حام[2] کا چھوڑ دینا اور پانسوں کے ذریعہ سے تقسیم کرنا اور مثل اُن کے دیگر باتیں اُن کے لئے ایجاد کیں اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قریباً تین سو سال پیشتر ہوا۔

اور یہ جہلار بالعموم اپنے آبار واجداد کے آثار سے استدلال کرتے اور اُس کو اپنے قطعی دلائل میں شمار کرتے تھے انبیار سابقین نے بھی اگرچہ حشر ونشر کے احوال بیان فرمائے ہیں لیکن نہ اس شرح وبسط سے جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے اس لئے جمہور مشرکین اُن مزید حالات پر مطلع نہ تھے بلکہ اُن کو فہم سے بعید جانتے تھے اس جماعت کو اگرچہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا بھی اعتراف تھا۔ لیکن صفات بشری (جو انبیار میں ہیں) اُن کے جمال باکمال کے لئے حجاب ہیں اُن کو مشوش کر دیتی تھیں اور وہ اس تدبیر الٰہی کی حقیقت سے جو بعثت انبیار کے لئے مقتضی ہے نا آشنا رہ کر کارِ رسالت کو استبعاد کی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ یہ لوگ رسول کو مرسل یعنی اُس کے بھیجنے والے کے ساتھ مماثل جانتے تھے (چنانچہ) وہ اس باب میں واہی اور ناقابلِ سماعت شبہات پیش کرتے تھے مثلاً وہ کہتے تھے کہ جو شخص کھانے اور پینے کا محتاج ہو وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے اور خدا تعالیٰ نے کیا وجہ جو فرشتہ کو رسول بنا کر نہ بھیجا اور کیا وجہ کہ ہر شخص پر الگ الگ وحی نہیں بھیجا علیٰ ہٰذالقیاس ایسے ہی اور شبہات۔ اور اگر تم کو مشرکین کے عقائد اور اعمال کے اس بیان کے صحیح تسلیم

---

[1] سائبہ سے مراد وہ مویشی ہے جس کو اہل جاہلیت بتوں کی نذر کر کے چھوڑ دیتے تھے نہ اُس پر سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اُس سے اُون حاصل کرتے ۱۲ مترجم

[2] حام سے مراد وہ نر اُونٹ ہے۔ جس کو مثل سانڈ کے چھوڑ دیتے تھے نہ اس پر سوار ہوتے نہ اس سے اُون حاصل کرتے اور کسی چراگاہ یا حوض سے اُس کو نہ روکتے تھے ۱۲ مترجم

کرنے میں کچھ توقف ہو تو چاہئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دار الاسلام کے نواح میں رہتے ہیں دیکھو کہ انہوں نے ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے وہ لوگ باوجودیکہ اولیاء متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں اور تحریف اور تشبیہ نے کس قدر اُن میں رواج پکڑا ہے حتیٰ کہ موافق حدیث صحیح لتتبعن سنن من کان قبلکم ان آفات میں سے کوئی بھی نہ رہی جس پر آج کوئی نہ کوئی جماعت کاربند اور اُس کے مانند دیگر امور کی معتقد نہ ہو اعاذنا اللہ سبحانہ عن ذلک۔

بالجملہ خدا تعالےٰ نے اپنی خاص رحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں مبعوث کیا اور آپ کو ملت حنیفیہ کے قائم کرنے کا حکم فرمایا۔ اور قرآن مجید میں جہلاء عرب کے ساتھ مباحثہ کیا اور مباحثات میں اُن کے مسلمات سے جو ملت حنیفیہ کی بقایا تھے استدلال کیا تاکہ الزام اُن پر پوری طرح ثابت ہو جائے اور شرک کا جواب' اول تو ان سے اس پر دلیل کا مطالبہ کرنا اور تقلید آباء کے استدلال کو توڑنا ہے اور دوسرے ان بندگان خاص کا خدا کے برابر نہ ہونا۔ اور خدا تعالےٰ کا برخلاف ان بندگان خاص کے انتہائی مراتب تعظیم کے لئے مستحق ہونا۔ اور تیسرے تمام انبیاء کا اس مسئلہ پر اجماع وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون[1]۔ اور چوتھے بتوں کے عبادت کی خرابی اور پتھروں کے مرتبہ انسانی سے بھی گرے ہوئے ہونے کا بیان (اور مرتبۂ الوہیت کا تو ذکر ہی کیا ہے) اور یہ جواب خاص اُن اقوام کے مقابلہ میں دیا گیا ہے جو بتوں کو بالذات معبود خیال کرتے ہیں اور تشبیہ کا جواب اولاً تو اس پر دلیل کا مطالبہ۔ اور استدلال

[1] تم سے پیشتر ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ ہم نے اُس کی طرف وحی کی کہ سوائے میرے کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو ۱۲

تقلید آبار کو توڑنا - اور دوسرے یہ کہ اولاد کا اپنے باپ کیساتھ ہمجنس ہونا ضروری ہے- اور وہ یہاں مفقود ہے - اور تیسرے ایسے امور کو جن کو وہ اپنے نزدیک مکروہ اور مذموم خیال کرتے ہیں حق تعالےٰ کے لئے ثابت ماننے کی قباحت کا بیان (اَلِرَبِّكَ[1] الْبَنَاتُ وَلَكُمُ الْبَنُونَ) اور یہ جواب خاص ایسے اقوام کے لئے دیا گیا ہے جو شہورات اور متوہمات شعری کو تسلیم کرنے کے خوگر تھے اور جن کی بڑی تعداد کی یہی حالت تھی اور تحریف کا جواب یہ ہے کہ ائمہ مذہب سے یہ معانی مذکور نہیں ہیں اور نیز یہ ایسے لوگوں کی اختراعات اور جدت پسندیاں ہیں جو معصوم نہ تھے اور حشر و نشر کے مستبعد ہونے کا جواب اولاً تو زمین وغیرہ کے احیاء پر قیاس - اور مدار حشر و نشر کی تیقیح ہے جو کسی شے کا فقط تحت قدرت اور ممکن الاعادہ ہونا ہے - اور دوسرے ان امور کی خبر دینے میں اہل کتاب کی موافقت ہے - اور استبعاد رسالت کا جواب انبیائے سابقین میں بھی ہو چکا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم ؕ وَيَقُولُ[2] الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ اور دوسرے اُن کے استبعاد کو یہ کہکر رد کرنا کہ یہاں پر رسالت سے مراد فقط وحی ہے۔ قُلْ[3] إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ اور وحی ایسی شے ہے جو محال نہیں ہے وَمَا كَانَ[4] لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّهُ الخ اور تیسرے یہ بیان کر دینا کہ اُن معجزات کا ظاہر ہونا جن کی وہ ضد کرتے ہیں اور خدا تعالےٰ کا ایسے شخص کو نبی معین کرنے میں اُن کی موافقت نہ کرنا جس کی پیغمبری کے وہ خواہشمند ہیں - یا فرشتہ کو پیغمبر نہ بنانا یا ہر کسی پر وحی

---

[1] کیا تیرے پروردگار کے لئے بیٹیاں ہیں اور تمہارے لئے بیٹے ۱۲

[2] کفار کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم اُس کے جواب میں کہدو کہ میرے اور تمہارے درمیان خدا گواہ ہے اور جس کے پاس آسمانی کتابوں کا علم ہے - ۱۲

[3] اے پیغمبر کہدو کہ میں مثل تمہارے انسان ہوں مگر یہ کہ مجھ پر وحی کی جاتی ہے ۱۲

[4] کسی انسان کی یہ مقدور نہیں کہ خدا اس کے ساتھ کلام کرے مگر بطور وحی کے ۱۲

نازل نہ کرنا۔ ایک الٰہی کلی مصلحت کی بنا پر ہے جس کے ادراک سے اُن لوگوں کا علم و فہم قاصر ہے۔ اور چونکہ مکلفین اکثر مشرک تھے اس لئے ان مضامین کو بہت سورتوں میں مختلف طریقوں اور نہایت تاکیدات کے ساتھ ثابت فرمایا اور ان باتوں کے بار بار اعادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ لاریب حکیم مطلق کا خطاب ان جاہلوں کے لئے ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ اور ان بے عقلوں کے مقابلے میں انہیں شدید تاکیدات کی ضرورت تھی۔ ذلک تقدیر العزیز العلیم اور یہودی توریت پر ایمان رکھتے تھے اور اُن کی بیراہی احکام توریت میں عام تحریف لفظی یا معنوی تھی۔ اور نیز بعض آیات کو چھپانا۔ اور یہ افترا پردازی کہ جو احکام اُس میں نہ تھے اُس میں ملانا اور نیز ان احکام کی پابندی واجرا میں تساہل۔ اور تعصب مذہبی میں شدت۔ اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں تامل۔ اور بے ادبی اور طعنہ زنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خدا تعالیٰ کی شان میں اور ان کا بخل و حرص میں مبتلا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہودی تحریف لفظی توریت کے ترجمہ وغیرہ میں کیا کرتے تھے نہ کہ اصل توریت میں۔ کیونکہ فقیر کے نزدیک ایسا ہی محقق ہوا ہے اور ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے اور تحریف معنوی تاویل فاسد کا نام ہے یعنی سینہ زوری اور راہ مستقیم سے انحراف کر کے کسی آیت کو اُس کے اصل معنی کے خلاف پر حمل کرنا۔ اور اُس کی ایک مثال یہ ہے کہ ہر مذہب میں درمیانِ فاسقِ دیندار اور کافرِ منکر مذہب کے فرق بیان کیا گیا ہے مثلاً کافر کے لئے ثابت مانا گیا ہے کہ وہ عذاب شدید میں ہمیشہ مبتلا رہے گا۔ اور فاسق کیلئے جائز رکھا گیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے دوزخ میں سے نکالا جائے گا۔ اور اس آخری حکم کے اثبات کے وقت ہر ایک مذہب نے اپنے پیرو کے نام کی تصریح کی ہے مثلاً توریت میں یہودی اور عبری کو یہ مرتبہ بخشا گیا ہے۔ اور انجیل میں نصرانی کو۔ اور قرآن

ل وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ۔

مجید میں مسلمانوں کو یہ شرف عطا ہوا ہے اس حکم کا مدار فقط خدا تعالےٰ اور محشر پر ایمان لانے اور اُس رسول کی جو اُن میں مبعوث کیا گیا ہو تابعداری اور مشروعات مذہبی پر عمل کرنے اور منہیات سے اجتناب کرنے پر ہے اور ہرگز کسی فرقہ کی ذاتی خصوصیت نہیں لیکن باینہمہ یہودیوں کا گمان ہے کہ جو شخص یہودی یا عبری ہوگا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ اور شفاعت انبیا اُنکو دوزخ سے نجات دیگی حتی کہ چند روز کے سوا وہ دوزخ میں نہ رہ سکیں گے گو مدار حکم کا وجود نہوا ور گو خدا تعالےٰ پر ایمان صحیح طریقہ سے نہوا ور آخرت اور رسالت پر ایمان کا اُن کو کچھ بھی ادراک نہوا ہو۔ حالانکہ یہ محض غلط اور خالص جہالت ہے۔

چونکہ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ اور اُن کے اشکالات کو واشگاف کرنے والا ہے اس لئے اُس نے اس گرہ کو بھی پوری طرح کھولدیا ہے۔ بلیٰ من کسب سیئۃ واحاطت بہ خطیئتہ فاولئک اصحاب النار ہم فیہا خالدون۔[1]

مثال ثانی ہر مذہب میں اُس زمانہ کے مصالح پر نظر کرکے احکام بھیجے گئے ہیں اور تشریع یعنی شریعت کا قانون بنانے میں اقوام کی عادات کی موافقت کا لحاظ رکھا گیا ہے اور نہایت تاکید کے ساتھ اُن کے اتباع اور اُن پر ہمیشہ عمل کرنے و اعتقاد رکھنے کا حکم فرمایا ہی اور انہیں میں دائمی طور پر انحصار حق فرمایا ہے۔ لیکن اس سے صرف یہ غرض ہی کہ فقط اُس زمانہ میں اُن اعمال میں حق منحصر ہی۔ غرضکہ دوام ظاہری مراد ہی نہ کہ دوام حقیقی یعنی مراد یہ تھی کہ تاوقتیکہ دوسرا نبی مبعوث نہوا ور اُس کے چہرۂ نبوت سے پردۂ خفا نہ اُٹھ جائے۔ یہ احکام واجب العمل رہیں گے مگر انہوں نے اس ظاہری دوام سے یہ سمجھا کہ گویا یہودیت ناقابلِ نسخ ہی اور درحقیقت یہودیت کے اتباع کی وصیت کے یہ معنیٰ تھے کہ ایمان اور نیک اعمال کا التزام

---

[1] ہاں جس نے بدی کمائی اور اس کی خطاؤں نے اس کو گھیر لیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ۱۲

کیا جائے۔ اور اس مذہب کی کوئی ذاتی خصوصیت ہرگز معتبر نہیں ہے۔ لیکن ان لوگوں نے خصوصیت کا اعتبار کرکے غلطی سے یہ گمان کر لیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت ہی کی وصیت فرمائی ہے۔

مثال ثالث خدا تعالےٰ نے ہر ایک ملّت میں انبیاء اور اُن کے متبعین کو مقرب اور محبوب کا خطاب عطا کیا اور منکرین کو صفات مبغوضہ سے یاد فرمایا ہے۔ اور ان خطابات میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن کا استعمال ہر ایک قوم میں شائع تھا۔ تو اگر محبوب کے بجائے لفظ ابن ذکر کیا ہو تو کچھ تعجب نہیں اس سے یہودیوں نے یہ گمان کیا کہ یہ عزت صرف یہودی اور عبری اور اسرائیلی کے ناموں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ اس سے کامل اتباع اور خضوع اور انبیاء کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلنے کے سوا اور کچھ مراد نہیں اور ایسی ہی بہت سی تاویلاتِ فاسدہ اُن کے قلوب میں راسخ ہو گئی تھیں جن کو وہ اپنے باپ دادوں سے سنتے چلے آئے تھے قرآن مجید نے ان شبہات کو پوری طرح رفع کر دیا۔

کتمانِ آیات کی یہ صورت تھی کہ بعض احکام اور آیات کو کسی فرضی عزت اور شریف کے اعزاز کی حفاظت یا کسی ریاست کے حاصل کرنے کی غرض سے پوشیدہ کر دیتے تھے کہ عوام کا اعتقاد اُن سے زائل نہ ہو جائے اور یہ لوگ اس پر عمل ترک کر دینے سے نشانۂ ملامت نہ بن سکیں۔ مثلاً زانی کو سنگ سار کرنے کا حکم توریت میں مذکور تھا۔ مگر اُن لوگوں نے اس وجہ سے کہ ان کے تمام علماء نے رجم کو موقوف کرکے اُس کی جگہ پر دُرّے مارنا اور منہ کالا کر دینا تجویز کر رکھا تھا اس حکم کو ترک کر دیا اور رسوائی کے خوف سے اُس کو چھپا لیا تھا یا مثلاً جن آیتوں میں حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السّلام کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی اولاد میں ایک نبی مبعوث ہوگا اور جن میں اشارہ ہے ایک ایسے مذہب کی جانب جو سرزمینِ حجاز میں کامل اشاعت پائے گا، اور

اس کے سبب سے عرفات کی پہاڑیاں صدائے لبیک سے گونج اٹھیں گی اور تمام اقلیموں کے لوگ اس مقام کی زیارت کا قصد کریں گے باوجودیکہ یہ آیتیں توریت میں اب تک موجود ہیں یہودی اُن کی یہ تاویل کرتے تھے کہ یہ تو فقط اُس مذہب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اسکے اتباع کا امر کہاں ہے۔ اور یہ مقولہ اُن کے زبان زد تھا ملحمۃ کتبت علینا[1]۔ لیکن چونکہ اس رکیک تاویل کو کوئی نہ سنتا تھا اور نہ کسی کے نزدیک صحیح تھی۔ اس لئے وہ آپس میں ایک دوسرے کو اس راز کے اخفاء کی وصیت کرتے اور ہر کس و ناکس کے روبرو اُس کا اظہار نہ کرتے تھے اتحدثونہم بما فتح اللہ علیکم لیحاجوکم بہ عند ربکم[2]۔

افسوس یہودی کس بلا کے جاہل تھے۔ کیا خدا تعالے کا ہاجرہ و اسمٰعیل علیہما السلام پر اس مبالغہ کے ساتھ احسان رکھنا کوئی دوسرے معنی بھی رکھتا ہے جن پر ان آیات کو حمل کرکے یہ کہہ سکیں کہ ان سے اُس مذہب کے اتباع کی تحریص نہیں نکلتی۔ سبحانک ہذا افک عظیم

افترا اس کا سبب وہ بیجا تشدد ہے جس نے اُن کے علماء اور مشائخ کے اطوار میں راہ پائی تھی اور استحسان یعنی بدون شارع کی تصریح کے بعض احکام کا صرف اس لئے کہ اُن میں کوئی مصلحت ہے استنباط کرنا۔ اور ان بیہودہ استنباطات کو اول رواج دینا۔ اور پھر اُن کو اصل کتاب میں ملا دینا اور اپنے سلف کے اتفاق کو دلیل قطعی خیال کرنا۔ خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے انکار پر اُن کے یہاں سوائے اقوال سلف کے اور کوئی دلیل نہ تھی۔ علیٰ ہذا دوسرے بہت سے احکام ہیں مگر احکام توریت میں سہل انگاری اور

---

[1] ملحمہ یعنی جنگ۔ یہود کہتے تھے کہ مسلمان جو ہم پر غالب آرہے ہیں تو ہم پر کفارے جیسے غیر یہود کا غلبہ ہوتا خود توریت میں لکھا ہے ۱۲ مترجم

[2] کیا جو کچھ خدا نے تم پر توریت میں ظاہر کیا ہے اُس کی خبر تم مسلمانوں کو کئے دیتے ہو کہ تمہارے پروردگار کے روبرو اُسی بات کی سند پکڑ کر تم سے جھگڑا کریں ۱۲

بخل اور حرص کا ارتکاب صاف ظاہر ہے کہ یہ سب نفس امارہ کے اقتضاءات ہیں ۔ نفس امارہ بلاشبہ ہر شخص پر غالب ہے ۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہُ ۔ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ[1] ۔ مگر اس مصلحت نے اہل کتاب میں دوسرا ہی رنگ چڑھایا تھا ۔ یعنی وہ اپنے استنباطات کی تصریح میں تاویلات فاسدہ کے ذریعہ سے بڑا زور لگاتے تھے اور اس کو شریعت کے رنگ میں ظاہر کرتے تھے ۔

استبعادِ رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس کا سبب وہ باہمی اختلاف ہے جو انبیاء علیہم السلام کی عادات اور احوال میں پایا جاتا ہے ۔ مثلاً نکاح کے زیادہ یا کم کرنے میں فرق ۔ اور اسی کے مثل اور باتیں ۔ اور اُن کے شرائع کا باہم اختلاف ۔ اور معاملاتِ انبیاء میں سنۃ اللہ کا اختلاف ۔ اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں معبوث فرمانا حالانکہ اب تک جمہور انبیاء بنی اسرائیل (اولاد یعقوب) سے ہوتے آئے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نبوت دراصل نفوسِ عالم کی اصلاح اور عادات اور عبادات کی درستی کا مرتبہ رکھتی ہے وہ نیکی اور بدی کے اصول کی ایجاد کا منصب نہیں رکھتی قاعدہ کی بات ہے کہ ہر ایک قوم اپنی عبادات، تدبیر منزل، اور سیاست مدنی میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے ۔ اگر نبوت اس قوم میں آئے تو وہ اُن کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کے بجائے جدید اصول قائم نہ کرے گی بلکہ اُس کا یہ کام ہوگا کہ وہ اُن خصائل کو باہم متمیز کر دے جو باقاعدہ اور خدا کی مرضی کے موافق ہوں اُن کو جاری رہنے دے اور جو اُس کے مخالف ہوں اُن میں بقدر ضرورت تغیرات کرے ۔

اور تذکیر بآلاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی اُسی اسلوب پر کی جاتی ہے جو اُن کے یہاں شائع ہو اور جس سے وہ مانوس ہوں ۔ یہی نکتہ ہے جس کے باعث انبیاء کی شریعتیں باہم

---

[1] بلاشبہ نفس برائی کی ترغیب دینے والا ہے مگر میرا پروردگار جس پر رحم کرے ۔

مختلف ہو گئی ہیں۔ اور اس اختلاف کی مثال اُس طبیب کے اختلاف علاج کے مانند ہے
جبکہ وہ دو مختلف الحال مریضوں کی تدبیر کرتا ہے۔ اُن میں سے ایک کے لئے تو سرد دوائیں اور
غذائیں تجویز کرتا ہے۔ اور دوسرے کے واسطے گرم غذا اور دوا کا حکم دیتا ہے۔ طبیب کی
غرض دونوں جگہ متحد یعنی طبیعت کی اصلاح و ازالہ مرض کے سوا اُس کو اور کچھ منظور نہیں
اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر اقلیم میں وہاں کے باشندوں کے مناسب دوائیں اور غذائیں
الگ الگ تجویز کرتا اور ہر فصل و موسم میں اُس کے مقتضاء کے موافق تدبیر اختیار کرتا ہے
اسی طرح جب حکیم حقیقی نے بیماران امراض نفسانی کا معالجہ کرنا چاہا اُن کی تقویتِ طبع۔ اور
تقویتِ ملکہ۔ اور ازالہ مفاسد اُس کو منظور ہوا تو اُن اقوام اور اُن کی عادت کے اختلاف
کے باعث اور ہر زمانہ کے مشہورات و مسلمات کی وجہ سے معالجہ مختلف ہو گیا۔

غرضکہ اگر تم اس اُمت میں یہود کا نمونہ دیکھنا چاہو تو ان علماء سُوء کو دیکھ لو جو دُنیا
کے طالب اور اپنے اسلاف کی تقلید کے خوگر اور کتاب و سنت سے روگردانی کرنے والے
ہیں اور جو عالموں کے تعمق اور تشدد یا اُن کے بے اصل استنباط کو سند ٹھیرا کر معصوم
شارع کے کلام سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور فاسد تاویلوں کو
اپنا مقتدا بنا رکھا ہے۔

نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اُن کی گمراہی یہ تھی کہ انھوں
نے خدائے تبارک و تعالےٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجوہ سے متغائر
اور بعض وجوہ سے متحد ہوں ان حصوں کو وہ اقانیم ثلثہ کہتے تھے۔ یعنی ایک اقنوم
باپ جو اُن کے نزدیک مبدأیت عالم کے ہم معنیٰ تھا۔ اور ایک اقنوم بیٹا جو
بمعنی صادر اول تھا جو ایک امر عام اور تمام موجودات میں شامل ہے۔ اور ایک
اقنوم روح القدس تھا جو عقول مجردہ کے ہم معنیٰ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابن نے
حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا۔ یعنی جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام آدمی کی

شکل میں آتے تھے ایسے ہی ابن نے عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ظہور کیا تھا اسلئے عیسیٰ علیہ السلام خدا بھی ہیں۔ اور ابن اللہ بھی اور بشر بھی۔ اور اسی لئے احکامات بشری اور خداوندی دونوں اُن کی نسبت جاری ہوتے ہیں اور اس عجیب عقیدہ میں اُن کا تکیہ انجیل کی بعض ایسی آیتوں پر ہے جن میں لفظ ابن مذکور ہوا ہے اور جن میں حضرت مسیح نے بعض افعال الٰہیہ کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ پہلے اشکال کا جواب اس امر کے مان لینے کی صورت میں کہ یہ کلام فی الحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی، تحریف شدہ نہیں ہے یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں لفظ ابن مقرب اور محبوب اور مختار کے ہم معنیٰ تھا۔ چنانچہ اس دعوے پر کثرت سے قرائن انجیل میں پائے جاتے ہیں۔ اور دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہ نسبت بطریق نقل وحکایت ہی۔ مثلاً کسی بادشاہ کا ایلچی اُس کے کلام کو یوں نقل کرے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کیا فلاں قلعہ توڑا۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ ایلچی ترجمان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کا یہ طریقہ ہو کہ عالم بالا سے اُن کے لوح دل پر مضامین خود منقش ہو جاتے ہوں۔ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت انسانی میں آکر کلام القا نہ فرماتے ہوں۔ اس لئے اُس نقش کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام سے وہ کلام صادر ہوگا جس میں افعالِ الٰہیہ کو اپنی جانب نسبت کرنے کا اشارہ ہو "والحقیقۃ غیر خفیۃ"۔ بالجملہ خدا تعالیٰ نے اس باطل مذہب کا رد فرمایا، اور کہا کہ عیسےٰ خدا کا بندہ اور اُس کی وہ پاک روح ہی جس کو اس نے مریم صدیقہ کے رحم میں ڈالا، اور اُس کی روح القدس سے تائید فرمائی اور نیز خاص عنایتیں اُس پر رکھیں۔ اور بالفرض اگر خدا تعالیٰ ایسی روح کے قالب میں جو باقی ارواح کے ہم جنس ہی آیا ہو اور بشریت کا لباس اختیار کیا ہو اور ہم اچھی طرح اس نسبت کو واشگاف کریں تو لفظ اتحاد اسوقت ہر گز مستعمل نہو سکے گا مگر بتسامح۔ بلکہ الفاظ تقویم[1] وغیرہ ان معنی کے قریب تر ہیں۔ تعالیٰ عما یقول الظالمون علوا کبیراً۔

[1] نوٹ ملاحظہ ہو صفحہ آئندہ

اگر اس گروہ کا نمونہ اپنی قوم میں دیکھنا چاہو تو آج اولیاء اللہ اور مشائخ کی اولاد کو دیکھ لو کہ وہ اپنے آباء کے حق میں کس قسم کے خیالات رکھتے ہیں اور ان کو کہاں تک طول دیا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (اور بہت جلد جانیں گے وہ لوگ جو کہ ظلم کرتے ہیں کہ کونسی پھرنے کی جگہ پھر جائیں گے)

اور نیز ایک گمراہی نصاریٰ کی یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ہو گئے ہیں حالانکہ فی الواقع ان کے قتل کے واقعہ میں ایک اشتباہ ہو گیا تھا جس سے انہوں نے آسمان پر اٹھائے جانے کو قتل سمجھ لیا اور نسلاً بعد نسلٍ اس غلط روایت کو مسلسل نقل کرتے رہے خداوند تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس شبہ کا ازالہ فرمایا۔ وَمَا قَتَلُوهُ[1] وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ اور انجیل میں اس قصہ کے متعلق جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے اس سے مراد یہودیوں کی دلیری اور ان کے اقدامِ قتل کی خبر دینا ہے باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے اس سانحہ سے انکو نجات عطا فرمائی۔ اور جو کہ حواریین کا مقولہ مذکور ہے اس کا منشا یہ ہے کہ ان کو اشتباہ ہو گیا اور رفع کی حقیقت پر ان کو اطلاع نہ تھی جس سے کہ ان کے ذہن اور ان کے کان اب تک مانوس نہ تھے۔

اور نیز ان کی ضلالت میں سے ایک امر بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ فارقلیط موعود سے

(نوٹ صفحہ ۱۸)

[1] مقوم وہ ہے جس کے ذریعہ سے کوئی دوسری چیز قائم ہو۔ جیسے جوہر عرض کا مقوم ہے یا طلسمی کاغذ کسی تماشہ کا مقوم ہو۔ عام غلطی یہ ہے کہ تقویم کو جوہر و عرض کی نسبت میں منحصر کر دیا ہے اور چونکہ جوہر و عرض میں ایک طرح کا اتحاد ہے اس لئے تقویم کو اتحاد سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ طلسم اپنے تماشہ سے بالکل صاف علیحدہ ہوتا ہے اور یہ نسبت تقویم ہی کی ہے اگر اسکو بھی اتحاد ہی کہا جائے تو پھر کوئی چیز علیحدہ ہی نہیں کیونکہ کوئی نہ کوئی نسبت آخر پائی ہی جائے گی ۱۲

[1] حال یہ ہے کہ انہوں نے مسیح کو نہ تو قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا مگر یہ کہ ان کو ایسا ہی معلوم ہوا ۱۲

وہ عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو قتل ہو جانے کے بعد اپنے حواریین کے پاس آئے اور اُن کو انجیل کے کامل اتباع کی وصیّت فرمائی۔ اور کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میری بعد مدعیانِ نبوت بکثرت ہوں گے لیکن اُن میں جو شخص میرا نام لے اُس کی تصدیق کرنا ورنہ نہیں قرآن شریف سے ثابت ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق ہو۔ نہ کہ حضرت عیسیٰ کی روحانی صورت پر۔ کیونکہ انجیل میں کہا گیا ہو کہ فارقلیط تم میں مدّتِ دراز تک رہکر علم سکھا دے گا اور لوگوں کے نفوس کو پاک کرے گا۔ اور یہ بات ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی سے ظاہر نہیں ہوئی۔ یا تی عیسیٰ علیہ السّلام کا نام اختیار کرنا اس سے یہ مراد ہے کہ اُن کے نبوت کی تصدیق کرے نہ یہ کہ اُن کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے۔

منافقین ۲ دو قسم کے تھے: ایک وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے تھے مگر اُن کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا اور کفر و جحود اُن کے دل میں چھپے ہوئے تھے۔ ایسے لوگوں کے حق میں فی الدرک الاسفل من النار[1] آیا دوسرا گروہ جس نے اسلام قبول کیا مگر ان کا ایمان ضعیف تھا مثلاً وہ اپنے قومی خصائل و عادات کے پابند تھے اگر وہ مسلمان ہوں تو یہ بھی مسلمان ہو جاتے ہیں اور وہ کافر رہے تو یہ بھی کافر رہتے ہیں اور یا مثلاً دنیاوی لذات کا اتباع اُن کے قلوب میں بھر گیا ہے کہ اُس نے خدا اور اُس کے رسول کی محبت کے لئے جگہ ہی نہیں باقی رہنے دی۔ یا حرصِ مال اور حسد و کینہ وغیرہ اُن کے دلوں پر اس قدر مسلّط ہو گیا تھا کہ اُس نے ان کے دلوں میں مناجات کی حلاوت اور عبادت کی برکات کے لئے جگہ نہیں چھوڑی تھی۔ اور یا مثلاً امورِ دنیا میں وہ ایسے منہمک ہو گئے تھے کہ انکو معاد کی امید اور اس کے لئے فکر کرنے کی فرصت تک باقی نہ رہی تھی۔ اور یا مثلاً ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی نسبت بیہودہ خیالات اور رکیک شبہات

[1] دوزخ کے پست ترین طبقہ میں رہیں گے۔

اُن کے قلوب میں گذرتے تھے باوجودیکہ وہ اس حد تک نہ پہنچے تھے کہ وہ اسلامی طوق کو گردن سے نکال کر اس کشمکش سے صاف نکل جائیں۔ منافقین کے ان شبہات کا سبب یہ ہوا کہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بشری احکام پائے جاتے اور اسلام کا ظہور شاہی غلبہ وغیرہ کی صورت میں ہوا۔ اور یا ان کو اپنے قبائل اور گھرانوں کی محبت نے اُن کی امداد اور تقویت اور تائید پر ایسا ثابت قدم رکھا کہ گو اہلِ اسلام کے خلاف ہی کیوں نہو مگر وہ سعیٔ بلیغ کر کے اسلام کو ضعف پہنچاتے تھے۔

نفاق کی یہ دوسری قسم نفاقِ عمل اور نفاقِ اخلاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب نفاق کی پہلی صورت کا علم نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ منجملہ علم غیب ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کے مخفی خیالات کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔ اور نفاقِ ثانی کثرت سے پایا جاتا ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں اور حدیث میں جو علامات مذکور ہیں وہ اسی نفاق کی جانب اشارہ ہے۔ ثلث[1] من کن فیہ کان منافقاً خالصاً اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف واذا خاصم فجر۔ "وہم[2] المنافق بطنہ وہم المؤمن فرسہ"۔ الی غیر ذلک من الاحادیث۔ خدا تعالیٰ نے ایسے منافقوں کے اخلاق واعمال کو قرآن مجید میں خوب آشکارا کیا ہے اور ان ہر دو گروہ کے احوال بکثرت بیان فرمائے ہیں تاکہ تمام اُمت اُن سے احتراز کرے۔

اگر تم کو ان منافقین کے نمونہ کے دیکھنے کا شوق ہے تو امراء کی مجالس میں جا کر اُن کے مصاحبین کو دیکھ لو جو امراء کی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور

[1] تین خصلتیں ہیں جس میں یہ پائی جائیں گی وہ خالص منافق ہوگا جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔

[2] منافق صرف اپنے پیٹ کی فکر کرتا ہے اور مومن اپنے گھوڑے کی فکر رکھتا ہے۔

انصاف کی رُو سے ایسے منافقین ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ کلام سُن کر نفاق اختیار کیا اور اُن میں جو اب پیدا ہوئے مگر اُنہوں نے یقینی ذرائع سے احکامِ شارع کی اطلاع پاکر مخالفت اختیار کی کوئی فرق نہیں ہے علیٰ ہذا القیاس معقولیوں کی وہ جماعت بھی جن کے دلوں میں بہت سے شکوک اور شبہات پیدا ہو گئے ہیں اور جنہوں نے معاد کو نسیاً منسیا کر دیا ہے گروہِ منافقین میں داخل ہے۔

بالجملہ قرآن مجید کی تلاوت کے وقت یہ گمان نکرنا چاہیے کہ اس میں مباحثہ ایک خاص قوم سے تھا جو گذر چکی۔ بلکہ بمصداق حدیث لتتبعن سنن من کان قبلکم زمانہ نبوی میں کوئی بلا نہ تھی مگر یہ کہ اُس کا نمونہ آج بھی موجود ہے۔ اس لئے مقصود اصلی اُن مقاصد کے لئے کلیات کا بیان ہے نہ کہ ان حکایات کی خصوصیات، یہ وہ تقریر ہے جو اس کتاب کے لئے اُن گمراہ فرقوں کے عقائد کی تفصیل اور اُن کے جوابات میں مجھ سے ہو سکی اور میرے نزدیک یہ تحقیق آیاتِ مباحثہ کے معانی سمجھنے کے لئے بالکل کافی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

فصل دوم

باقی علومِ پنجگانہ کے مباحث میں

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید کا نزول انسان کی مختلف جماعتوں کی تہذیب کیلئے خواہ عربی ہوں یا عجمی شہری ہوں یا بدوی ہوا ہے۔ بدیں وجہ حکمتِ الٰہی اس امر کو مقتضی ہوئی کہ تذکیر بآلاء اللہ میں اکثر افراد بنی آدم کی معلومات سے زیادہ بیان نہ کرے اور زیادہ بحث اور تحقیق سے کام نہ لے۔ اور اسماء اور صفاتِ الٰہی کو ایسے سہل طریقہ سے بیان فرمایا کہ افراد انسانی بغیر مہارتِ حکمۃِ الٰہی اور بدونِ مزاولتِ علم کلام کے صرف

اُس فہم ادراک کے ذریعہ سے جو اصل فطرت میں اُن کو عطا ہوا ہے بخوبی سمجھ سکیں۔ پس ذات مبدء (خالق) کا اثبات اجمالاً فرمایا۔ کیونکہ اس کا علم تمام افراد بنی آدم کی فطرت میں ساری ہے۔ اور معتدل اور قریب باعتدال ممالک میں بنی آدم کا کوئی گروہ تم ایسا نہ پاؤ گے جو اس کا منکر ہو اور چونکہ صفات الٰہیہ کا اثبات بطریقہ تحقیق حقائق اور امعانِ نظر اُن کے لئے محال تھا۔ اور اگر وہ صفاتِ الٰہیہ پر بالکل اطلاع نہ پاتے تو معرفتِ ربوبیت جو ہمارے نفوس کی تہذیب کے لئے سب سے زیادہ سودمند شے ہے نہ حاصل ہو سکتی۔ اس لئے حکمتِ باری مقتضی ہوئی کہ ان بشری صفات کاملہ میں سے جن کو ہم جانتے ہیں اور جو ہمارے نزدیک قابل تعریف سمجھے جاتے ہیں چند صفات کا انتخاب کیا جائے اور اُن کو ایسے دقیق معانی کے بجائے استعمال کیا جائے جن کی عظمت اور جلال کی بلندی تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی اور لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کو جہل مرکب کے سخت اور مزمن مرض کے لئے تریاق مقرر کیا جائے۔ اور جن بشری صفات کے ذاتِ الٰہی کے لئے ثابت کرنے سے اوہام کی طغیانی عقائد باطلہ کی جانب ہوتی ہے مثلاً اثباتِ ولد گریہ وزاری جزع و فزع اُن سے منع فرمایا۔ اگر آپ زیادہ غور و خوض کریں گے تو معلوم ہوگا کہ انسان کے لئے اپنے فطری اور غیر مکتسب علوم کی شاہراہ پر قدم زن ہونا اور ان صفات کو جن کا اثبات کیا جا سکتا ہے اور ان سے کوئی مخل نہیں آتا۔ اُن صفات سے تمیز کرنا جن سے اوہام باطلہ کی طغیانی ہوتی ہے ایک نہایت دقیق امر ہے جس کی تہ کو عوام کے ذہن نہیں پہونچ سکتے۔ اسلئے یہ علم یعنی علم ذات و صفات توقیفی قرار دیا گیا اور آزادانہ بحث و گفتگو کی اجازت اِس باب میں نہیں دی گئی۔

اور آلاء اللہ اور آیاتِ قدرت میں سے صرف وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو شہری بدوی اور عرب و عجم یکساں طور پر سمجھ سکیں۔ لہذا نفسانی نعمتیں جو اولیا اور علما کے ساتھ مخصوص ہیں اور ارتفاقی[۱] لذتیں جو صرف بادشاہوں کا حصہ ہیں ذکر نہیں کی گئیں

[۱] الارتفاق التدبیر النافع ۱۲

بنا بریں جن نعمتوں کا ذکر مناسب تھا یہیں مثلاً آسمان و زمین کی پیدائش بادلوں سے پانی برسانا اور زمین سے پانی کے چشمے جاری کرنا اور اس سے طرح طرح کے پھل پھول در غلے اگانا اور ضروری صنعتوں کا الہام - اور پھر اُن کے جاری کرنے کی قدرت بخشنا۔ اور اکثر مقامات میں ہجوم مصائب اور اُن کے دُور ہونے کے وقت لوگوں کے رویّہ کے بدل جانے پر اکثر مقامات میں تنبیہ فرمائی ہے - اس لئے کہ یہ امراض نفسانی میں سے کثیر الوقوع ہے۔

اور ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو خداوند تعالےٰ نے ایجاد فرمایا ہے مثلاً فرماں برداروں کے لئے انعام، اور نافرمانوں کے لئے عذاب اُن میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا کہ جو پیشتر سے اُن کے گوش زد ہو چکی تھیں، اور وہ اجمالی طریقہ سے اُنکا تذکرہ سن چکے تھے مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے۔ اور حضرت ابراہیم اور انبیاء بنی اسرائیل کی مختلف داستانیں جن سے بوجہ یہود اور عرب کے قرن ہا قرن کے اختلاط کے اُنکے کان آشنا تھے، نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ فارس و یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں - اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری حصوں کو جو تذکیر میں کار آمد ہوں ذکر فرمایا ہے اور تمام قصوں کو ان کی تمام خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا اِس میں حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو اُن کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور تذکیر کا مقصد جو داستان کے بیان کرنے کی اصل غرض ہے فوت ہو جاتا ہے - اور اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی عارف نے کہا ہے جب سے لوگوں نے تجوید کے قواعد سیکھے ہیں خشوع کے ساتھ تلاوتِ قرآن مجید سے محروم ہو گئے اور جب سے مفسرین نے بعید وجوہ میں موشگافی کی ہے علم تفسیر "اَلنَّادِرُ کَالْمَعْدُوْم" ہو گیا ہے۔

جو قصے قرآن مجید میں بہ تکرار بیان ہوئے ہیں یہ ہیں - آدم علیہ السلام کی پیدائش زمین سے - اُن کو تمام فرشتوں کا سجدہ کرنا - شیطان کا اُس سے انکار کر کے ملعون ہونا - اور اس کے بعد سے بنی آدم کے بہکانے اغوا میں سعی کرنا - حضرت نوحؑ - حضرت ہودؑ - حضرت صالحؑ - حضرت ابراہیمؑ - حضرت لوطؑ - حضرت شعیبؑ کا اپنی اپنی اقوام سے توحید اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں مباحثات کرنا - اور اُن اقوام کی سرکشی - اور رکیک شبہات اور پیغمبروں کے جوابات - اشقیاؑ پر عذاب الٰہی کا نزول اور خداوندی نصرت کا ظہور، انبیاء اور اُن کے پیرؤں کے حق میں - حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف قصے فرعون اور بنی اسرائیل کے نادانوں سے - اور اُن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جناب میں مکابرہ کے ساتھ پیش آنا - خدا تعالےٰ کا ایک عرصہ تک اُن بدبختوں کو عقوبت میں مبتلا رکھنا اور پیہم اُن برگزیدہ حق تعالےٰ کے حق میں ظہور نصرتِ خداوندی ہونا - حضرت سلیمان و حضرت داؤد علیہما السّلام کا قصۂ خلافت اور اُن کے معجزات اور کرامتوں کا احوال - حضرت ایوب و حضرت یونس علیہما السلام کی شفقت کا واقعہ اور اُن پر خداوندی رحمت کے نزول کا ذکر - دعاء حضرت زکریا کا مستجاب ہونا - حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب عجیب قصے - ان کا بغیر باپ کے پیدا ہونا - اور گہوارہ میں کلام فرمانا - اور اُن سے خود اُن عادات کا ظہور - یہ تمام قصے اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورۃ کے اسلوب کے اقتضا کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کئے گئے ہیں -

اور جو واقعات فقط ایک یا دو جگہ مذکور ہیں - یہ ہیں - حضرت ادریس علیہ السلام کا آسمان پر اُٹھایا جانا - حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرود سے مناظرہ ، اور پرندہ کو زندہ کرتے دیکھنا ، اور اپنے فرزند (اسمٰعیلؑ) کو ذبح کرنا - اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش - اُن کو دریا میں ڈال دینا - اُن کا

ایک قبطی کو قتل کرنا۔ اور پھر مدین کو فرار ۔ وہاں جاکر نکاح کرنا۔ اور وہاں سے واپسی میں ایک درخت پر آگ کو روشن دیکھنا۔ اور اُس سے باتیں سُننا۔ اور بنی اسرائیل کا گائے کو ذبح کرنے کا قصہ۔ حضرت موسیٰ کا حضرت خضر سے ملاقات کرنا۔ اور طالوت وجالوت اور بلقیس اور ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے قصص اور اُن دو شخصوں[1] کا قصہ جنہوں نے باہم نزاع کیا تھا۔ اور اصحاب[2] جنت کا قصہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے تین رسولوں[3] کا قصہ اور اُس مومن کا قصہ جس کو کفار نے شہید کیا تھا۔ اور اصحابِ فیل کا واقعہ۔ پس ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل ہوجائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی بُرائی کی جانب منتقل ہوں، اور وہ کفار پر عذابِ خداوندی کا، اور مخلصین کو خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں۔

اور موت اور اُس کے بعد کے واقعات میں سے یہ امور بیان فرمائے۔ انسانی موت کی کیفیت۔ اور اس وقت اُس کی بیچارگی کا عالم اور بعد موت کے جنّت دوزخ کو سامنے کرنا اور عذاب کے فرشتوں کا آنا۔ اور علاماتِ قیامت جو بیان کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا آسمان سے نزول، دجّال اور یاجوج و ماجوج کا ظہور، اور صورِ فنا، اور صور حشر و نشر اور سوال وجواب اور میزان اور نامہ اعمال کا دائیں یا بائیں ہاتھ میں لینا، اور مومنین کا جنت میں اور کفار کا دوزخ میں داخل ہونا، اور دوزخیوں میں پیشواؤں اور مقلدوں کا باہم تکرار کرنا اور ایک دوسرے کا راہ مارنے سے انکار، اور آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرنا۔ اور مومنین کا

---

[1] وقال لہ صاحبہ وھو یحاورہ انا اکثر منک مالاً واعزّ نفراً (سورہ کہف)

[2] انا بلونٰھم کما بلونا اصحاب الجنۃ (سورہ نون) [3] سورہ یٰسین

دیدارِ خداوندی کے شرف سے مختص ہونا۔ اور عذاب کی نوعیتوں کی تعداد کردہ بیڑیاں طوق کھولتا ہوا گرم پانی۔ غساق اور زقوم ہے اور نعمتہائے جنت کی انواع کردہ حورانِ بہشتی اور عالیشان قصر اور آبِ سرد و شیریں وغیرہ کی نہریں۔ اور نہایت خوشگوار کھانے اور لباسہائے فاخرہ اور خوش جمال عورتیں اور جنتیوں کی باہمی دلکشا صحبتیں ہیں ان قصوں کو مختلف صورتوں میں اُن کے اسلوب کے اقتضائے کے حسبِ حال اجمالاً یا تفصیلاً متفرق طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔

مباحثِ احکام کے لئے قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملتِ حنیفی (ابراہیمی) پر مبعوث ہوئے ہیں اسلئے اُس ملت کے طریقوں کا باقی رکھنا ضروری ہے تاکہ اُس کے امہات مسائل میں سوائے تخصیص تعلیمات اور اوقات وحدود کی زیادتی وغیرہ کے اور کسی قسم کے تغیرات کا گذر نہ ہو سکے۔ اور چونکہ عرب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے اور باقی تمام اقالیم کو عربوں کے ہاتھ سے پاک کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اس لئے ضروری ہوا کہ شریعت محمدی کا مواد انہیں کی رسوم وعادات سے لیا جائے۔ اگر کوئی شخص ملت حنیفی کے جملہ احکام اور عربوں کے رسوم وعادات دیکھے اور پھر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ اصلاح وتکمیل کا رتبہ رکھتی ہے ایک غائر نظر ڈالے تو وہ ہر ایک حکم کے لئے کوئی سبب اور ہر امر ونہی کے لئے کسی خاص مصلحت کا ادراک کرے گا۔ اسکی تفصیل بہت طویل ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

غرضکہ ملتِ ابراہیمی کی تمام عبادات میں خواہ وہ طہارت ہو یا نماز، روزہ ہو یا زکوٰۃ حج ہو یا ذکر، ایک فتورِ عظیم برپا ہو گیا تھا، کیونکہ اُس کے احکام کی اجراء میں تساہل برتا جاتا تھا اور بوجہ اکثر آدمیوں کے ناواقف ہونے کے باہم اختلاف کرتے تھے اور اہل جاہلیت نے اس میں تحریف کر دی تھی۔ قرآن مجید نے اس تمام بدنظمی کو دور کر کے کامل اصلاح اور درستی کی۔ اور تدبیر منزل کے قواعد میں بھی نقصان وہ رسوم اور ظلم وسرکشی بُری طرح

دخل پالیا تھا۔ اور احکام سیاست مدن بھی بالکل مختل ہو چکے تھے قرآن مجید نے آکر اُن کے اصول کو بھی منضبط کیا اور ان کی پوری حد بندی فرمائی اُس قسم کے انواع کبائر اور بہت سے صغائر مذکور ہوئے ہیں۔ اور مسائل نماز کا اجمالی تذکرہ کیا گیا۔ اور لفظ اقامت صلوٰۃ بولا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان وجماعت اور اوقات نماز اور بناء مساجد سے اُس کی تفصیل فرمائی ہے۔ اور مسائل زکوٰۃ بھی مختصر طریقہ سے ذکر کئے گئے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل فرمائی ہے اور روزہ سورۂ بقرہ میں اور حج کعبہ سورۂ بقر اور سورۂ حج میں مذکور ہوا۔ اور جہاد کا سورۂ بقرہ اور انفال ور دوسرے متفرق مقامات پر۔ اور حدود کا سورۂ مائدہ اور نور میں اور میراث کا سورۂ نساء میں۔ اور نکاح و طلاق کا سورۂ بقرہ اور سورۂ طلاق وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

جبکہ یہ قسم جس کا فائدہ تمام افراد اُمت کے لئے عام ہے ختم ہو گئی تو اُس کے بعد دوسری قسم یہ ہے کہ مثلاً کوئی سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں پیش کیا گیا اس کا آپ نے جواب فرمایا۔ یا کسی خاص حادثہ میں جب کہ اہل ایمان نے اپنا جان و مال بے دریغ صرف کیا۔ اور منافقین نے بخل اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ نے مومنین کی تعریف، اور منافقین کی مذمت فرمائی اور اُن کو تہدید کی ہے۔ اور یا کوئی حادثہ مثل دشمنوں پر فتح دینے اور اُنکے ضرر سے محفوظ رکھنے کے مانند واقع ہوا ہو تو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں پر اس کا احسان جتایا اور اُن کو وہ نعمتیں یاد دلائی ہوں۔ اور یا کوئی ایسی خاص کیفیت پیدا ہوئی جس پر زجر و تنبیہ، یا تعریض وایماء، اور یا امر و نہی کی ضرورت تھی اور خدائے تعالیٰ نے اُس بارہ میں اُس کے مناسب حکم نازل فرمایا۔ ایسی خاص حالتوں میں مفسر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اُن قصوں کو بطریق اختصار بیان کردے جن کی جانب اشارہ کیا گیا ہے سورۂ انفال میں قصہ بدر کی جانب۔ اور آل عمران میں اُحد کی جانب اور احزاب میں غزوۂ خندق کی جانب۔ اور سورۂ فتح میں حدیبیہ کی طرف، اور سورۂ حشر میں بھی

بنی تفسیر کی جانب اشارات کیے گئے ہیں۔ اور سورہ برائت میں فتح مکہ اور غزوۂ تبوک پر آمادہ کیا گیا ہے اور مائدہ میں حجۃ الوداع کی طرف۔ اور احزاب میں نکاح حضرت زینب کی طرف اور سورۂ تحریم میں تحریم سریہ[1] کی طرف۔ اور نور میں قصہ افک عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اور سورۂ جن و احقاف میں جنات کے حضرتؐ کی تلاوت سننے کی طرف۔ اور برائت میں قصہ مسجد ضرار کی طرف۔ اور سورۂ بنی اسرائیل کے شروع میں واقعہ معراج کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ اگرچہ یہ قسم بھی درحقیقت تذکیر بایام اللہ میں داخل ہے لیکن چونکہ اسکی تعریفات کا حل اصلی قصہ سننے پر موقوف ہے اس لئے اُس کو باقی اقسام سے علیحدہ رکھا گیا۔

بابُ دوم

وجوہِ خفائے نظم قرآن کے بیان میں اور ان وجوہ کا علاج نہایت وضاحت کیساتھ

جاننا چاہیے کہ قرآن مجید ٹھیک بلا کسی تفاوت کے محاورۂ عرب کے موافق نازل ہوا۔ اور اہل عرب اپنی زبان کے سمجھنے میں جو سلیقہ رکھتے تھے اُس سے قرآن مجید کے معنی منطوق کو سمجھ لیتے تھے چنانچہ خدا تعالے نے فرمایا ہے۔ والکتاب المبین۔ اور قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون اور احکمت آیاتہ ثم فصلت۔ شارع کی یہ مرضی ہے کہ متشابہات قرآنی کی تاویل اور صفات خداوندی کے حقائق کی صورت آفرینی اور مبہمات کی تعیین اور قصوں کی تفصیل

---

[1] سورۂ تحریم میں جس چیز کی حرمت کا ذکر ہے اس کی نسبت روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیز تھیں ان کو کسی ام المومنین کے اصرار سے آپنے حرام کیا تھا۔

میں غور وخوض نہ کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں سوالات کم پیش کرتے تھے اور یہی وجہ ہو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ سوالات کچھ کم ہی منقول ہوا ہے۔ لیکن جب کہ اس طبقہ کا دور گذر چکا اور علوم تفسیر میں عجمیوں نے دخل دینا شروع کیا۔ اور نیز وہ پہلی زبان بھی متروک ہو گئی تو اس وقت بعض مقامات پر شارع کی مراد سمجھنے میں دشواری پیدا ہوئی۔ اور ضرورت پڑی کہ لغت اور علم نحو کی چھان بین کی جائے اور سوال وجواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور تفسیر کی کتابیں شروع ہوئیں بدیں وجہ ہمارے ذمہ لازم ہو کہ مشکل مقامات اور اُن کے امثلہ بیان کردیں۔ تاکہ معانی قرآنی میں غور وخوض کے وقت طول بیان کی حاجت نہ پڑے اور اُن مقامات کو مبالغہ کے ساتھ حل کرنے کے لئے مجبور ہوں۔

کسی لفظ کے معنی نہ معلوم ہونے کا سبب کبھی لفظ نادر کا استعمال ہوتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اُس لفظ کے معنی صحابہ اور تابعین اور باقی واقف کارانِ معانی سے نقل کئے جائیں۔ اور کبھی اس کا سبب ناسخ منسوخ میں شناخت نہ کرسکنا، اور اسباب نزول کا یاد نہ رہنا، اور کبھی مضاف وموصوف وغیرہ کا محذوف ہونا، اور کبھی کسی شے کو کسی شے سے یا کسی حرف کو کسی حرف سے اور یا اسم کو کسی اسم سے یا فعل کو کسی فعل سے یا جمع کو مفرد سے یا مفرد کو جمع سے یا غائب کے اسلوب کو مخاطب سے بدل دینا اس کا باعث ہوتا ہے اور کبھی مستحق تاخیر کی تقدیم یا اس کا عکس۔ اور کبھی اُس کا سبب ضمائر کا انتشار اور ایک لفظ کے متعدد معانی اور کبھی تکرار اور مفید وضروری طوالت ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کا سبب اختصار، اور کسی وقت کنایہ اور تعریض یا متشابہ یا مجاز عقلی کا استعمال ہوتا ہے۔ سعادتمند دوستوں کو چاہئے کہ وہ علم تفسیر میں گفتگو کرنے سے پہلے ان امور کی حقیقت اور اُن کی بعض مثالوں سے آگاہی حاصل کریں۔ اور مقام تفصیل میں رمز واشارہ پر اکتفا کریں۔

فصل اوّل

قرآن مجید کے الفاظِ نادرہ کی شرح کے بیان میں

غرائب قرآن کی شروح میں بہترین شرح ترجم القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے جو ابن ابی طلحہ کے طریق روایت سے صحت کیساتھ ہم کو پہنچی ہے۔ اور غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحیح بخاری میں اس طریق پر اعتماد فرمایا ہے اور اسکے بعد ابن عباسؓ سے ضحاک کے طریق اور نافع ابن الازرق کے سوالات پر ابن عباسؓ کے جوابات کا مرتبہ ہے۔ ان تینوں طریقوں کو علامہ سیوطی نے اپنی کتاب اتقان میں ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد شرح غرائب کا رتبہ ہے جس کو امام بخاری نے ائمہ تفسیر سے نقل کیا ہے۔ اس کے بعد وہ شروح غرائب قرآنی ہیں جن کو دوسرے مفسرین نے حضرات صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین سے روایت کیا ہے مجکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے پانچویں باب میں غرائب قرآنی کے تمام معتبر شروح کو معہ شان نزول بیان کروں۔ اور اس باب کو ایک مستقل رسالہ قرار دوں تاکہ جو چاہے اس کو اس رسالہ میں شامل کرے۔ اور جو چاہے اس کو جداگانہ یاد کرے۔ وَلِلنَّاسِ فِيمَا يَعْشَقُونَ مَذَاهِبُ

فائدہ ـ حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کبھی لفظ کی تفسیر اس کے معنیٰ لازمی سے کرتے ہیں اور متاخرین لغات کے تتبع اور مواقع استعمال کے تفحص کی بنا پر اس قدیم تفسیر میں شبہات کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں ہماری غرض صرف تفسیر سلف کا کامل اتباع ہے۔ اور تنقیحات و تنقیدات کے لئے اس مختصر رسالہ کے علاوہ دوسرا موقع ہے کیونکہ "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد"

فصل دوم

ناسخ و منسوخ کی معرفت فن تفسیر میں ایک ایسا مشکل مسئلہ ہے جس کے اندر بڑی بڑی بحثیں اور بیشمار اختلافات ہیں۔ اور اُس کے اشکال کے اسباب میں سب سے زیادہ قوی سبب متقدمین اور متاخرین کی اصطلاح کا باہمی اختلاف ہے۔ اس باب میں حضرات صحابہ اور تابعین کے کلام کے استقراء سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ حضرات نسخ کو اس کے لغوی معنی (یعنی ایک چیز کا ازالہ دوسری چیز کے ذریعہ سے) میں استعمال کرتے تھے نہ کہ اصطلاح اہل اصول کے موافق۔ بدیں وجہ ان کے نزدیک معنی نسخ ایک آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ کرنا دوسری آیت کے ساتھ ہوگا۔ یہ ازالۂ اوصاف عام ہے کہ مدت عمل کی انتہا ہو یا کلام کو اس کے متبادر معنی سے غیر متبادر کی جانب پھیر دینا ہو۔ یا یہ بیان کہ قید سابق اتفاقی تھی۔ اور یا لفظ عام کی تخصیص ہو۔ اور یا منصوص اور مقیس علیہ ظاہری میں امر فارق کا بیان۔ یا جاہلیت کی کسی عادت اور یا شریعت سابقہ کا ازالہ ہو۔

چونکہ ان حضرات کے نزدیک نسخ باب وسیع رکھتا ہے اسلئے عقل کو اس میں جولانی اور اختلاف کی گنجائش مل گئی یہی وجہ ہے کہ وہ منسوخ آیات کی تعداد پانچ سو تک بیان کرتے ہیں۔ لیکن اگر مزید غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد حد شمار سے باہر ہے۔ مگر متاخرین کی اصطلاح کے موافق آیات منسوخہ کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے علی الخصوص اس توجیہ کی رو سے جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے بیان مذکورہ بالا کو بعض علماء سے لے کر اپنی کتاب میں مناسب بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور جو آیات متاخرین کی رائے پر منسوخ ہیں ان کو شیخ محی الدین ابن عربی کے موافق تحریر کر کے قریباً بیس منسوخ آیتیں گنوائی ہیں۔ لیکن فقیر

کوان بیس میں بھی اکثر کی نسبت کلام ہے۔ ہم اس موقع پر علامہ سیوطی کے کلام کو معہ اپنے شبہات کے
بیان کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ (۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت۔ یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کے
ناسخ کے تعین میں بعض سے منقول ہے کہ آیت میراث سے منسوخ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ حدیث
لاوصیۃ لوارث سے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اجماع سے۔ یہ ابن عربی نے بیان کیا ہے
میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ آیت یوصیکم اللہ فی اولادکم سے منسوخ ہے۔ اور حدیث
لاوصیۃ اس نسخ کو بیان کرتی ہے، (۲) وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت
فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ سے منسوخ ہے، اور یہ بھی قول ہے کہ یہ آیت محکمہ ہے اور اس میں
لا مقدر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک ایک دوسرا طریقہ ہے جو یہ ہے کہ آیت کے
معنی ہیں: وعلی الذین یطیقون الطعام فدیۃ ہی طعام مسکین۔ یعنی جو لوگ کھانا دینے کی طاقت
رکھتے ہیں، اُن پر فدیہ ہے جو ایک مسکین کا کھانا ہے۔ یہاں ضمیر کو اس کے مرجع کے پہلے
اس لئے ذکر کیا کہ مرجع باعتبار رتبہ کے مقدم ہے۔ اور ضمیر کو اس لئے مذکر لائے کہ
درحقیقت فدیہ سے مراد طعام ہی ہے۔ اور طعام سے مراد صدقۃ الفطر ہے اس آیت میں
اللہ تعالیٰ نے روزوں کے حکم کے بعد صدقۃ الفطر کو اس طرح بیان فرمایا ہے جیسا کہ
دوسری آیت (فمن شہد منکم الشہر الخ) کے بعد تکبیراتِ عید (ولتکبروا اللہ علی ما ہداکم) کو (۳)
(احل لکم لیلۃ الصیام الرفث) آیت کما کتب علی الذین من قبلکم کے لئے ناسخ ہے، کیوں کہ مقتضائے
تشبیہ یہ ہے کہ شب کے وقت بھی سو جانے کے بعد کھانے پینے اور وطی کی حرمت میں جو
اگلی امتوں پر تھی موافقت ہو۔ یہ ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ اور اس کے علاوہ ایک
دوسری بات بھی بیان کی ہے جو یہ ہے کہ یہ آیت اُس حکمِ حرمتِ وطی کے لئے ناسخ ہے جو
ارشاد نبوی سے ثابت تھا۔ میں کہتا ہوں کہ "کما کتب" سے نفسِ وجوب صوم میں تشبیہ دینا
مقصود ہے، نہ کہ نسخ کیوں کہ یہاں روزے داروں کے اُس حال کو بدلا ہے جو اس
اجازت سے پہلے تھا۔ اور ہم کو کوئی دلیل نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے حق میں وطی حرام کردی تھی۔ اور اگر اسے مان بھی لیا جائے تو بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثابت بالسنۃ تھا۔ اس آیت سے اُس کی تنسیخ ہو گئی۔ (۴) یسئلونک عن الشہر الحرام الآیہ قاتلوا المشرکین کافۃ الآیہ سے منسوخ ہے اس روایت نسخ کو ابن جریر نے عطا ابن میسرہ سے نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ آیت مشرکین سے جنگ کی حرمت پر نہیں بلکہ اُس کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ آیت اس قبیل سے ہے کہ حکم کی علت کو مان کر اس کے موانع بھی ظاہر کئے جائیں۔ اب اس آیت کے یہ معنیٰ ہو گئے کہ اگرچہ شہر حرام میں قتال نہایت سخت ہے لیکن فتنۂ کفر و شرک اُس سے بھی زیادہ سخت ہے اسلئے اُس کی روک تھام کے لئے جنگ جائز ہے۔ اور یہ معنیٰ سیاق کلام اللہ سے عیاں ہے کما لا یخفیٰ (۵) والذین یتوفون۔۔ متاعاً الی الحول تک۔ یہ حکم آیت اربعۃ اشہر و عشراً سے منسوخ ہے۔ اور نسخ وصیت آیتِ میراث سے ہوا۔ اب صرف سُکنیٰ ایک جماعت کے نزدیک باقی ہے۔ اور ایک جماعت کے نزدیک وہ بھی حدیث لا سُکنیٰ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ آیت جیساکہ علامہ نے بیان کیا جمہور مفسرین کے نزدیک منسوخ ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کے معنیٰ یوں بیان کئے جائیں "وصیت میت کے لئے تو مستحب یا جائز ہے مگر عورت پر زمانۂ وصیت میں سکونت واجب نہیں" یہی حضرت ابنِ عباس کا مذہب ہے اور یہ معنیٰ آیت سے ظاہر ہیں۔

(۶) قولہ تعالیٰ وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ آیت لا یکلف اللہ

لہ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ مرد کے ذمہ اپنی زوجہ کے لئے ایک سال کا نفقہ اور سکنیٰ وصیت کرنا ضروری ہے۔ مگر عورت پر خواہ مخواہ ایک سال تک اس کے گھر میں رہنا ضروری نہیں، بلکہ صرف چار مہینے دس دن۔ اس توجیہ کی بنا پر کوئی آیت منسوخ نہ ہوگی۔ قال بہ ابن عباس والبخاری وابن تیمیہ ۱۲۔

"نفساً الا وسعہا" سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ تخصیصِ عام کی قسم سے ہے۔ اور پہلی آیت نے بیان کر دیا کہ "ما فی انفسکم" سے مراد اخلاص و نفاق ہے، نہ کہ خطراتِ نفس جن پر انسان کا کچھ اختیار نہیں کیوں کہ تکلیفِ شرعی اُن ہی چیزوں میں دی گئی ہے جن پر انسان کو قدرت حاصل ہے۔

سورۂ آل عمران

اتقوا اللہ حق تقاتہ۔ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ آل عمران میں اس کے سوا اور کوئی آیت نہیں ہے جس کی نسبت دعوئ نسخ صحیح ہو۔ میں کہتا ہوں کہ حق تقاتہ سے مراد شرک اور کفر یعنی اُمورِ اعتقادیہ میں تقویٰ مراد ہے، اور ما استطعتم میں اعمال ہیں یعنی جس کو وضو کی قدرت نہ ہو وہ تیمم کرلے۔ اور قیام کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھ لے۔ یہ مضمون سیاقِ آیت یعنی "ولا تموتن الا وانتم مسلمون" سے ظاہر ہے۔

سورۂ نساء

والذین عقدت ایمانکم فاتوہم نصیبہم۔ اس آیت سے منسوخ ہے واولوا الارحام بعضہم اولیٰ ببعض۔ میں کہتا ہوں کہ آیت کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ میراث موالی کے لئے اور صلۂ نیک مولی الموالات کے لئے ہے۔ اب نسخ نہیں رہا (۷) قولہ تعالیٰ اذا حضر القسمۃ الآیہ۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ منسوخ ہے۔ اور دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگ اس پر عمل کرنے میں سستی کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اس میں امر استحبابی ہے۔ یہی معنی ظاہر ترین ہیں۔ (۸) قولہ تعالیٰ واللاتی یاتین الفاحشۃ الآیہ آیتِ نور[1] سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں نسخ نہیں ہوا بلکہ یہ حکم اپنی نہایت تک پہنچ گیا ہے اور جب اس کی انتہا کا وقت آپہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ موعودہ کی تفصیل فرمادی کہ یہ ہے تو اب نسخ نہیں رہا۔

سورۂ مائدہ

(۹) ولا الشہر الحرام۔ شہور محرمہ میں اباحتِ قتل کے حکم سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں

۱؎ الزانیہ والزانی فاجلدوا۔ الخ مترجم۔

اس آیت کا ناسخ نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث صحیح میں - البتہ اسکے معنیٰ ہیں کہ جو قتال حرام ہے وہ شہر محرم میں اور زیادہ سنگین ہوجاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا کہ تمھاری جان و مال تم لوگوں کے اوپر اس طرح حرام ہیں جیسے تمھارا یہ دن تمھارے اس مہینہ تمھارے اس شہر میں حرمت رکھتا ہے۔ (۱۰) قولہ تعالیٰ: فان جاؤک فاحکم بینہم او اعرض عنہم - یہ آیت وان احکم بینہم بما انزل اللہ سے منسوخ ہوگئی ہے - میں کہتا ہوں کہ آیت ہٰذا کے یہ معنی ہیں کہ اگر تجھے خود حکم دینا منظور ہو تو قانونِ خداوندی (بما انزل اللہ) کے موافق حکم کرنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی مت کرنا۔ الحاصل ہمارے لئے دونوں باتیں جائز ہیں - اگر ہم چاہیں تو ذمیوں کو اجازت دے سکتے ہیں کہ وہ مقدمات کا مرافعہ اپنے عمائد کے یہاں کریں تاکہ وہ اپنے شرائع کے موافق اس کا فیصلہ کردیں اور چاہیں تو ہم خود اپنے منزل من اللہ احکام سے اُن کا قضیہ چکا دیں۔

(۱۱) قولہ تعالےٰ او آخران من غیرکم منسوخ ہے آیت واشہدوا ذوی عدل منکم سے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد کا قول آیت کے ظاہر معنی کے مطابق ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنیٰ ہیں "اَوْ آخران من غیر اقاربکم" اس توجیہ پر گواہانِ وصیت مسلمانان غیر قرابت داروں میں سے ہوں گے۔

سورۂ انفال

(۱۲) قولہ تعالیٰ ان یکن منکم عشرون صابرون الآیہ۔ اپنی مابعد والی آیت سے منسوخ ہے میں کہتا ہوں کہ بیشک منسوخ ہے۔

سورۂ براۃ

(۱۳) انفروا خفافاً و ثقالاً - آیاتِ عذر یعنی لیس علی الاعمیٰ حرج الآیہ اور لیس علی الضعفاء الآیہ سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں مراد خفافاً سے یہ ہے کہ ضروریاتِ جہاد (مثلاً) مراکب، غلامانِ خدمت، سامانِ خور و نوش کی کم از کم مقدار موجود ہو۔ اور ثقالاً سے کہ یہ اشیاء نہایت وافر ہوں اب نسخ نہیں رہا اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں نسخ متعین نہیں بلکہ دوسرا احتمال بھی موجود ہے۔

سورۃ النور

(۱۴) الزانی لاینکح الا زانیۃ الآیہ ۔ یہ آیت وانکحوا الایامیٰ منکم سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں امام احمد نے اس آیت کے ظاہری معنیٰ پر حکم دیا ہے۔ اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اس کے یہ معنیٰ ہیں کہ مرتکبِ کبیرہ زانیہ ہی کا کفو ہے ۔ اور یا یہ کہ زانیہ سے نکاح کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور آیت میں حرم ذالک سے زنا و شرک کی جانب اشارہ ہے۔ اس لئے نسخ نہیں کہہ سکتے۔ اور آیت وانکحوا الایامیٰ عام ہے، وہ خاص کو منسوخ نہیں کر سکتی ۔ (۱۵) قولہ تعالے لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الآیہ ۔ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ منسوخ ہے دوسرا یہ کہ منسوخ تو نہیں مگر لوگوں نے اس پر عمل کرنے میں تساہل سے کام لیا ہے۔ میں کہتا ہوں ابن عباس کا مذہب ہے کہ وہ منسوخ نہیں اور یہی زیادہ قابلِ اعتبار ہے۔

سورہ احزاب

(۱۶) لایحل لک النساء من بعد الآیہ۔ یہ آیت انا احللنا لک ازواجک اللاتی سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ ناسخ باعتبارِ تلاوت منسوخ سے مقدم ہو اور میرے نزدیک یہی بات زیادہ ظاہر ہے۔

سورہ مجادلہ

(۱۷) اذا ناجیتم الرسول فقدموا الآیہ۔ یہ اپنے بعد والی آیت سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ قول ٹھیک ہے۔

سورہ ممتحنہ

(۱۸) فاتوا الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا ۔ اس آیت میں تین قول ہیں۔ (۱) آیتِ سیف سے منسوخ ہے (۲) آیتِ غنیمت سے منسوخ ہے (۳) محکم ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا محکم ہونا ظاہر تر ہے لیکن حکمِ صلح اور قوتِ کفار کے وقت کے لئے خاص ہے۔

سورہ مزمل

(۱۹) قم اللیل الا قلیلاً ۔ یہ حکم سورۃ کی آخری آیتوں سے منسوخ ہے ۔ اور پھر وہ بھی فرضیتِ نمازِ پنجگانہ سے منسوخ ہوگیا۔ میں کہتا ہوں نمازِ پنجگانہ سے نسخ کا دعویٰ مدلل نہیں ہے۔ بلکہ حق بات یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے ابتدا میں استحبابِ قیامِ لیل کی تاکید ہے اور آخر میں صرف اس تاکید کا نسخ کر کے استحبابِ غیر مؤکد کو باقی رکھا گیا ہے ۔ علامہ سیوطی نے ابن عربی کے ساتھ اتفاق کر کے کہا ہے کہ اکیس آیتیں منسوخ ہیں باوجودیکہ ان میں

بھی بعض کی نسبت اختلاف ہے اور ان کے علاوہ اور کسی آیت کیلئے دعویٰ نسخ صحیح نہیں۔ اور آیت استیذان اور آیت قسمت اور آیت احکام میں عدم نسخ صحیح ہے۔ اب صرف انیس آیتیں منسوخ رہ گئیں"۔ میں کہتا ہوں ہماری تحریر کے موافق پانچ ہی آیتوں میں نسخ ثابت ہو سکتا ہے

علم تفسیر کا دوسرا دشوار ترین مسئلہ معرفت اسباب نزول ہے اس میں بھی بعض اشکال وہی متقدمین اور متاخرین کی اصطلاحات کا اختلاف ہے۔ کلام حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے استقراء سے جس قدر ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا "نَزَلَتْ فِي كَذَا" (یہ آیت فلاں بارہ میں نازل ہوئی) کسی ایسے قصے کے ساتھ مخصوص نہیں ہوتا جو زمانہ نبوی میں واقع ہو کر نزولِ آیت کا سبب ہوا ہو۔

ان کی عادت ہے کہ مصداقہائے آیت میں سے کسی ایسے مصداق کو جس کا وجود زمانۂ نبوی یا اس کے بعد ہوا ہو، ذکر کر کے نزلت فی کذا کہدیا کرتے ہیں۔ ایسے موقع پر تمام قیود کے ساتھ منطبق ہونا کچھ ضروری نہیں ہے ہاں اصل حکم میں انطباق چاہئے اور بس۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کوئی سوال پیش کیا، یا آپ کے زمانۂ مبارک میں کوئی حادثہ واقع ہوا ہو، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم کسی آیت سے استنباط فرمایا اور اس آیت کو اس موقع پر تلاوت کیا ہو تو ایسے واقعات کو بھی بیان کرتے ہوئے وہ کہدیا کرتے ہیں "نزلت فی کذا" ایسی خاص صورتوں میں کبھی "فانزل اللہ تعالیٰ قولہ کذا" یا صرف "فنزلت" بھی استعمال کرتے ہیں ان کا یہ کہنا اس بات کا اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت سے استنباط، اور آپ کے قلبِ مبارک میں اس وقت اس آیت کا القا بھی وحی اور نفث فی الروع کی ایک قسم ہے۔ یہی وجہ ہے جو اس موقع پر لفظ "فَأُنْزِلَتْ" کا استعمال جائز ہے۔ اگر کوئی شخص تکرارِ نزول کے ساتھ اس کو تعبیر کرے تو یہ بھی ممکن ہے۔

محدثین آیات قرآنی کے ذیل میں ایسی بہت اشیاء ذکر کر جاتے ہیں جو فی الحقیقۃ

اسباب نزول میں داخل نہیں ہوتیں مثلاً صحابہ کا اپنے باہمی مناظرات میں کسی آیت سے استشہاد کرنا یا آیت سے تمثیل دینا۔ یا اپنے کلام کے استشہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی آیت کو تلاوت فرمانا۔ یا محدثین کا کسی ایسی حدیث کا روایت کرنا جس کو آیت کے ساتھ اس کی غرض یا موقع نزول یا اسماء مذکورہ فی الآیت کے مبہم کی تعین میں موافقت حاصل ہو۔ یا کسی کلمہ قرآنی کے لئے ادائے تلفظ کا طریقہ۔ یا سورتوں اور آیات کے فضائل یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثالِ امر قرآنی وغیرہ کی صحیح تصویر۔ درحقیقت یہ تمام باتیں اسباب نزول میں شمار نہیں ہیں اور نہ اُن کا احاطہ کرنا مفسر کی شرائط میں داخل ہے۔

مفسر بننے کے لئے دو چیزوں کی معرفت شرط ہے۔ ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات مشیر ہوں، کیوں کہ ایسی آیات کے ایماء کا سمجھنا بغیر علم واقعات کے میسر نہیں آسکتا اور دوسرے وہ قصے جن سے عام کی تخصیص یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ مثلاً آیت کو اُس کے ظاہری معنی سے پھیرتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ کیوں کہ آیات کے اصل مقصد کا علم اُن قصص کی موافقت کے بدون ممکن نہیں۔

یہاں پر یہ جان لینا مناسب ہے کہ حضرات انبیاء سابقین کے قصے احادیث میں کم مذکور ہیں۔ اور اُن کے وہ لمبے چوڑے تذکرے جن کے بیان کرنے کی تکلیف عام مفسرین برداشت کرتے ہیں، وہ سب الا ماشاء اللہ علماء اہل کتاب سے منقول ہیں۔ صحیح بخاری میں مرفوعاً مروی ہے: لا تصدقوا اہل الکتاب ولا تکذبوہم۔ (تم اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو) اور یہ بھی جان لینا چاہیے کہ حضرات صحابہ اور تابعین مشرکین و یہود کے مذاہب اور اُن کی جاہلانہ عادات کے بارہ میں قصہ ہائے مخصوصہ اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ وہ عقائد و عادات زیادہ روشن ہو جائیں۔ اور ایسے موقع پر وہ اکثر کہہ دیتے ہیں نزلت الآیۃ فی کذا۔ اس سے اُن کی مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں آیت اس طرح کے واقعات کی نسبت نازل ہوئی اُن کی مراد اس سے عام ہوتی ہے کہ سببِ نزول وہی واقعہ ہو

یا اُس کے مانند اور کوئی۔ اور یا آیت اُس کے قریب نازل ہوئی ہو۔ اس صورت خاص کے اظہار سے اُن کا مقصد اُس کی تخصیص کا اظہار نہیں ہوتا۔ بلکہ فقط یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ صورت اُن امور کلیہ کے لئے (جن کا اظہار و بیان ضروری ہے) ایک اچھی تصویر ہے اس لئے بسا اوقات اُن کے اقوال باہم مختلف اور اپنی اپنی طرف کھنچے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ حقیقت میں سب کا مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے جس مقام پر یہ کہا ہے کہ "کوئی شخص ہرگز فقیہ نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس میں ایک آیت کو متعدد معانی پر حمل کرنے کا ملکہ نہ پیدا ہو جائے" وہاں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

علیٰ ہذا قرآن مجید میں یہ اسلوب بکثرت اختیار فرمایا گیا ہے کہ دو صورتیں بیان ہوتی ہیں۔ ایک سعید[1] کی جس کے ذیل میں بعض اوصافِ سعادت ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور ایک شقی[2] کی جس کے تحت میں بعض اوصافِ شقاوت کا مذکور ہوتا ہے۔ مگر ایسے مقامات میں عام طور پر صرف اُن اوصاف و اعمال ہی کے احکامات کا اظہار منظور ہوتا ہے اور کسی خاص شخص کی جانب تعریض نہیں ہوتی چنانچہ پ ۲۶ ع ۱ میں ارشاد فرمایا۔ ووصینا الانسان بوالدیہ احسانا حملتہ امہ کرہا ووضعتہ کرہا۔ اور اس کے بعد شقی اور سعید کی دو صورتیں ذکر فرمائیں۔ اور اسی کے مانند یہ دو آیتیں پ ۱۴ کی ہیں وَاِذَا قیل لہم ماذا انزل ربکم قالوا اساطیر الاولین۔ اور وقیل للذین اتقوا ماذا انزل ربکم قالوا خیراً۔ اور آیات ذیل کو بھی اسی قاعدہ پر حمل کرنا چاہئے۔ ضرب اللہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃ مطمئنۃ اور آیت پ ۲۶ نمبر ۱۴ ہو الذی خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا لیسکن الیہا فلما تغشٰہا الآیہ اور پ ۱۸ قد افلح المؤمنون الذین ہم فی صلوٰتہم خاشعون اور ولا تطع کل حلاف مہین۔

اور اس صورت میں یہ بات کچھ ضروری نہیں ہو کہ بعینہ وہ خصوصیات کسی فرد میں پائی بھی جاتی ہوں۔ چنانچہ آیت کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ میں لازم

نہیں آتا کہ اس صنعت کا کوئی نتیجہ پایا بھی جائے۔ یہاں پر کثرتِ اجر کی تصویر کھینچنے کے سوا اور کچھ مقصود نہیں ہے۔ اور اگر کوئی صورت اس کے ساتھ اکثر یا تمام خصوصیات میں موافق بھی پائی جاتی ہو تو وہ لزوم مالا یلزم کے قبیل سے سمجھی جائے گی اور کبھی ظاہر الورود شبہ کو دور کیا جاتا یا کسی تقریب الفہم سوال کا جواب محض کلام سابق کے ایضاحِ مطلب کے قصد سے دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس زمانہ میں نہ کسی کا کوئی شبہ ہوتا ہے نہ کوئی سوال۔ بسا اوقات صحابہؓ ایسے مقام کی تقریر کرتے ہوئے کوئی سوال بطور خود تجویز کر لیتے اور مطلب کو سوال و جواب کی صورت میں بیان فرماتے ہیں اور اگر بغرضِ تحقیق خوب چھان بین کی جاتی تو یہ تمام کلام باہم متصل اور مربوط معلوم ہوتا ہے جس میں ترتیبِ نزول کے اعتبار سے قبلیت و بعدیت کی گنجائش نہیں ہے اور ایک ایسا منتظم جملہ نظر آتا ہے جس کی قیود کا تجزیہ کسی قاعدہ پر نہیں ہو سکتا۔ بعض اوقات صحابہ تقدم و تاخر کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اس سے ان کی مراد تقدم تاخر باعتبار مرتبہ کے ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے آیت والذین یکنزون الذہب والفضۃ میں کہا ہے ہذا[1] قبل ان تنزل الزکوٰۃ فلما نزلت جعلہا اللہ تعالیٰ طہرا للاموال۔ یہ معلوم ہے کہ سورۂ براءۃ (جس میں یہ آیت ہے) سب سورتوں سے بعد میں نازل ہوئی اور یہ آیت ان قصص میں ہے جو سب میں متاخر ہیں اور زکوٰۃ کی فرضیت اس سے سالہا سال پہلے ہو چکی ہے، لیکن ابن عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ اجمال مرتبۃً تفصیل سے مقدم ہے۔

بالجملہ جو امور مفسر کے لئے شرط ہیں وہ ان دو نوعوں سے زیادہ نہیں ہیں۔ ایک غزوات وغیرہ کے قصے جن کی خصوصیات کی جانب مختلف آیتوں میں ایسی تعریضات ہیں کہ تاوقتیکہ ان واقعات کا علم نہ ہو اس وقت تک آیات کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہو سکتی اور دوسرے[2] بعض قیود کے فوائد اور بعض مقامات میں تشدد کے ایسے اسباب

[1] یہ نزولِ زکوٰۃ سے پہلے ہے۔ پس جبکہ زکوٰۃ نازل ہوئی تو خداوند تعالیٰ نے اس کو مالوں کیلئے پاکی بنایا۔

جن کا علم کیفیت نزولِ کی معرفت پر موقوف ہوتا ہے اور یہ بحث اخیر دراصل فنونِ توجیہ میں سے ایک فن ہے ۔ اور توجیہ کے معنیٰ ہیں صورتِ کلام کا بیان، اور اس کلمہ (تعریف توجیہ) کا حاصل یہ ہے کہ کبھی کسی آیت میں کوئی شبہ پیدا ہوتا ہے یا تو اس صورت کا استبعاد کی وجہ سے جو مدلولِ آیت ہے، یا دو آیتوں کے باہمی تناقض سے، اور یا اس وجہ سے کہ مبتدی کے ذہن پر مصداقِ آیت کا تصور دشوار ہوتا ہے یا کسی قید کا فائدہ اسکے ذہن نشین نہیں ہوتا۔ ان صورتوں کے پیدا ہونے پر جب مفسران اشکالات کو حل کرتا ہے تو اس کا نام توجیہ رکھا جاتا ہے مثلاً آیت یَا اُخْتَ ہَارُوْنَ میں سوال کیا گیا کہ حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان میں ایک طویل مدت کا فاصلہ ہے تو کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہارون مریم علیہما السّلام کے بھائی ہوں۔ گویا کہ سائل نے اپنے ذہن میں یہ ٹھہرالیا تھا کہ یہ ہارون (جو آیت میں مذکور ہیں) وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بنی اسرائیل اپنی اولاد کے نام ایسے صلحاء کے نام پر رکھا کرتے تھے جو اُن سے پہلے گذر چکے اور مثلاً آپ سے سوال کیا گیا کہ محشر میں آدمی منہ کے بل کس طرح چلیں گے۔ آپ نے فرمایا اِنَّ الَّذِی اَمْشَاہُ فِی الدُّنیَا عَلٰی رِجْلَیْہِ لَقَادِرٌ عَلٰی اَنْ یُّمْشِیَہٗ عَلٰی وَجْہِہٖ[1] اور مثلاً ابن عباس رضؓ سے سوال کیا گیا کہ ایک آیت میں لَا یَتَسَاءَلُوْنَ ہے اور دوسری میں وَاَقْبَلَ بَعْضُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ یَتَسَاءَلُوْنَ ۔ ان دونوں میں صورتِ تطبیق کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ عدم سوال میدانِ حشر میں اور سوال جنت میں جانیکے بعد ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ صفا و مروہ کے درمیان اگر سعی واجب ہے تو لفظ لَاجُنَاحَ (گناہ نہیں) کیوں فرمایا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت ایک جماعت نے گناہ سمجھ کر اس سے پرہیز اختیار کیا تھا اس لئے لَاجُنَاحَ فرمایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] جس نے دنیا میں انسان کو پاؤں کے بل چلایا وہ بلاشبہ اس پر قادر ہے کہ اس کو منہ کے بل چلا دے ۱۲

علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قید "اِنْ خِفْتُمْ" کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ "صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِہَا" (یعنی ہم بندے صدقہ میں تنگی روا نہیں رکھتے) ایسے ہی خدا تعالےٰ نے اُس قید کو نگی (احتراز) کے لئے ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ قید اتفاقی ہے۔ علم تفسیر میں توجیہ کی مثالیں بکثرت ہیں اور ہمارا مقصود صرف تنبیہ ہے۔

ہم کو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جن اسبابِ نزول اور توجیہات مشکل کو بخاری اور ترمذی اور حاکم نے اپنے اپنے ابواب تفسیر میں اسنادِ صحیحہ سے صحابہؓ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے ہم بھی اُن کو بطور تنقیح واختصار باب پنجم میں نقل کریں اس سے دو فائدے ہوں گے۔ اول یہ معلوم ہو جائے گا کہ ان آثار کا حفظ کرنا مفسر کیلئے ضروری ہے۔ چنانچہ غرائب قرآن کی شرح جس قدر ہم نے ذکر کی ہے وہ نہایت ضروری ہے۔ دوسرے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اکثر اسباب نزول کو آیات کے معانی دریافت کرنے میں کسی قسم کا دخل نہیں۔ البتہ صرف اُن قصص کو کچھ دخل ہے جن کا اُن ہر سہ تفاسیر میں ذکر ہے جو محدثین کے نزدیک صحیح تر ہیں۔ اور محمد ابن اسحاق واقدی اور کلبی نے قصہ آفرینی میں جس قدر افراط کی ہے (یعنی وہ ہر ایک آیت کے تحت میں ایک قصہ لائے ہیں) محدثین کے نزدیک اُن کا اکثر حصہ صحیح نہیں ہے۔ اور اُن کے اسنادیں نقص ہیں ان لوگوں کے اس افراط کو علم تفسیر کے لئے شرط سمجھنا صریح غلطی ہے۔ اور اُس کے حفظ پر فہم کتاب اللہ کو موقوف خیال کرنا در اصل کتاب اللہ سے اپنا حصہ کھونا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَہُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔

فصل سوم

اس باب کے باقی مباحث کے بیان میں

جو اشیاء کلام میں خفا پیدا کرتی ہیں یہ ہیں (۱) کلام سے بعض اجزاء یا حروف کا

حذف کرنا۔ (۲) دوسرے ایک شے کو دوسری شے کو بدلنا۔ (۳) مستحقِ تاخیر کی تقدیم (۴) مستحقِ تقدیم کی تاخیر (۵) متشابہات، تعریفات، کنایات کا استعمال، علی الخصوص معنی مقصود کی تصویر ایسی محسوس صورت کے ذریعہ سے جو عادۃً اُن معانی کے لئے لازم ہو کھینچنا۔
(۶) استعارۂ مکنیہ اور مجاز عقلی کا استعمال۔

ہم مختصر طور پر ان اشیاء کی بعض مثالیں اس غرض سے بیان کرتے ہیں کہ طالب کو ایک قسم کی بصیرت حاصل ہو جائے۔

حذف۔ اُس کی کئی قسمیں ہیں۔ مثلاً حذفِ مضاف یا حذفِ موصوف یا حذفِ متعلق وغیرہ

حذف کی مثالیں مثال (۱) پ ۲ ر ۶ ولکنّ البرّ من آمن ای برّ من آمن۔	لیکن نیکی اس شخص کی ہے جو ایمان لایا۔
مثال (۲) پ ۱۵ ر ۶ وآتینا ثمود الناقۃ مبصرۃ ای آیۃ مبصرۃ لا انہا مبصرۃ غیر عمیاً۔	اور ہم نے ثمود کو کھلا ہوا معجزہ دیا تھا یعنی نشانی کھلی ہوئی، نہ کہ آنکھیں کھلی ہوئی اونٹنی۔
مثال (۳) پ ۱ ر ۱۱ واُشربوا فی قلوبہم العجل۔ ای حبّ العجل۔	اور وہ اپنے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلائے گئے۔
مثال (۴) پ ۱۵ ر ۱۷ اقتلت نفساً زکیۃً بغیر نفس ای بغیر قتل النفس او فسادٍ ای بغیر فسادٍ۔	کیا تو نے ایک نفس معصوم کو بغیر نفس کے قتل کیا، یعنی بدون قتل نفس کے یا بغیر فساد کے۔
مثال (۵) من فی السموات والارض ای من فی السموات ومن فی الارض۔ لان شیئاً واحداً ہو فی السموات والارض۔	جو شخص کہ آسمانوں اور زمین میں ہے یعنی جو شخص کہ آسمانوں اور جو شخص زمین میں ہے کیوں کہ شے واحد ہی آسمانوں اور زمین میں ہے۔
مثال (۶) پ ۱۵ ر ۸ ضعف الحیٰوۃ وضعف الممات ای ضعف عذاب الحیٰوۃ وضعف عذاب الممات	دونا زندگی کا اور دونا موت یعنی دونا عذاب زندگی اور دونا عذاب موت کا۔
مثال (۷) پ ۱۳ ر ۲ واسألِ القریۃ ای اہل القریۃ	اور گاؤں سے سوال کر یعنی گاؤں والوں سے سوال کر

مثال (۸) پ۱۳ ر بدلوا نعمة الله کفراً ای فعلوا مکان شکرِ نعمةِ الله کفراً۔	اللہ کی نعمت کو کفر سے بدلا یعنی بجائے شکر نعمت اللہ کے انہوں نے کفر کیا۔
مثال (۹) پ۱۵ ر یہدی للتی ہی اقوم ای للخصلة التی ہی اقوم۔	البتہ وہ ہدایت کرتا ہے اُس کی طرف جو سیدھا ہے یعنی اس خصلت کی طرف جو سیدھی ہے ہدایت کرتا ہے۔
مثال (۱۰) پ۱۴ ر بالتی ہی احسن ای بالخصلة التی ہی احسن۔	یعنے ساتھ اس خصلت کے جو احسن اور زیادہ عمدہ ہے۔
مثال پ ر سبقت لہم منا الحسنیٰ ای الکلمة الحسنیٰ والعدة الحسنیٰ۔	اس کے لیے ہماری طرف سے حسنیٰ یعنی کلمۂ حسنیٰ یا وعدہ حسنیٰ نے سبقت کی۔
مثال پ۱ ر علیٰ ملک سلیمان ای علیٰ عہد ملک سلیمان۔	
پ ر وعدتنا علیٰ رُسُلِکَ ای علیٰ اَلسنةِ رُسُلِکَ اس مثال میں رُسلک سے پیشتر اَلسنة جو مضاف ہے محذوف ہے۔	تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبان پر وعدہ کیا ہے۔
انا انزلناہُ فی لیلة القدر ای انزلنا القرآن وان لم یسبق لہ ذکر	ہم نے قرآن شریف کو شبِ قدر میں نازل کیا۔
پ۲۳ ر حتی توارت بالحجاب ای توارت الشمس	یہاں تک کہ سورج پردہ میں چھپ گیا۔
پ۲۰ ر وما یلقّٰہا ای خصلة البصر	
پ۶ ر عبد الطاغوت فیمن قرأ بالنصب ای جعل منہم من عبد الطاغوت اس مثال میں ظاہر کیا گیا ہے کہ حرف جار محذوف ہے۔	
پ۱۹ ر فجعلہ نسباً وصہراً ای جعل لہ نسباً وصہراً	

اس مثال میں مفعول سے پیشتر حرف جر محذوف نکالا ہے۔

پ ۹ ر ۱۰ واختار موسیٰ قومہ ای من قومہ یہ مثال بھی نزع خافض یعنی حذفِ جر کی ہے۔

اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اختیار فرمایا۔

پ ۱۲ ر ۵ الا ان عادا کفروا ربہم ای کفروا نعمۃ ربہم او کفروا بربہم بنزع الخافض۔ اس مثال میں یا مضاف یعنی نعمۃ یا حرفِ جر یعنی با محذوف ہے۔

مگر تحقیق قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا یعنی نعمتوں کا کفر کیا۔ یا خدا کے ساتھ کفر کیا۔

پ ۱۳ ر ۳ تفتؤا ای لا تفتؤ ومعناہ لا تزال اس مثال میں لفظ لا محذوف ہے۔

ہمیشہ رہے تو۔

پ ۲۳ ر ۱۵ ما نعبدہم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ ای یقولون ما نعبدہم اس مثال میں یقولون محذوف ہے۔

کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں تا کہ وہ ہم کو اللہ سے نزدیک کریں۔

پ ۹ ر ۹ ان الذین اتخذوا العجل ای الذین اتخذوا العجل الٰہا یہ مثال حذفِ مفعول کی ہے۔

تحقیق اُن لوگوں نے کہ بچھڑے کو معبود بنا لیا ہے

پ ۲۳ ر ۲ تاتوننا عن الیمین ای وعن الشمال یہ مثال حذفِ معطوف کی ہے۔

تم ہمارے پاس داہنے اور بائیں سے آتے تھے۔

پ ۲۵ ر ۱۲ لو نشاء لجعلنا منکم ملئکۃ ای بدلا منکم یہ مثال حذفِ مفعول کی ہے یعنی بدلاً محذوف ہے۔

اگر ہم چاہتے البتہ تم سے یعنی تمہارے بدلے فرشتے کرتے۔

پ ۲۷ ر ۱۵ فظلتم تفکہون انا لمغرمون ای تقولون انا لمغرمون یہ مثال حذفِ قول کی ہے۔

اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم تاوان میں آ گئے۔

پ ۹ ر ۱۵ کما اخرجک ربک اے امض۔

جاننا چاہیے کہ حذف خبر انّ یا حذف جزائے شرط یا حذف مفعول، یا حذف مبتدا وغیرہ (جس وقت انّ کا مابعد حذف کی جانب مُشیر ہو) قرآن مجید میں عام طور پر شائع ہے۔

پ۹ ر۱۶ فلو شاء لہداکم اے لو شاء ہدایتکم لہداکم مثال ہذا میں مفعول حذف ہو رہا ہے۔

اگر خدا چاہتا البتہ تم کو ہدایت کرتا یعنی اگر تمہاری ہدایت چاہتا البتہ ہدایت کرتا۔

مثال حذف مبتدا پ۱۱ ر۴ الحق من ربک ای ہذا الحق من ربک۔

یعنی حق تیرے رب سے ہے یعنی یہ حق تیرے رب سے ہے۔

پ۲۷ ر۱۷ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا ای لا یستوی من انفق من قبل الفتح ومن انفق من بعد الفتح فحذف الثانی لدلالۃ قولہ اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد۔ یہ مثال حذف خبر جملہ کی ہے یعنی ومن انفق من بعد الفتح حذف ہو رہا ہے۔

نہیں برابر ہے تم سے وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور مقاتلہ کیا وہ باعتبار درجہ کے اعظم ہے ان لوگوں سے جنہوں نے بعد فتح خرچ کیا اور مقاتلہ کیا یعنی نہیں برابر وہ شخص جس نے پہلے فتح سے خرچ کیا اور جس نے بعد کو خرچ کیا پس دوسرا یعنی من انفق من بعد الفتح بوجہ دلالت آیت بالا حذف کر دیا گیا ہے۔

پ۲۳ ر۲ واذا قیل لہم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم لعلکم ترحمون وما تاتیہم من آیۃ من آیات ربہم الا کانوا عنہا معرضین ای اذا قیل لہم اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم اعرضوا۔ اس مثال میں اعرضوا محذوف ہے جس پر آیت متاخرہ دلالت کر رہی ہے۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو آفتیں تم کو تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے سے گھیرے ہوئی ہیں ان سے بچو تاکہ تم پر رحم کیا جائے تو اس کی وہ مطلق پروا نہیں کرتے اور ان کے پروردگار کی کوئی ایسی نشانی ان کے پاس آوے مگر وہ اس سے منہ موڑتے ہیں۔

اور نیز جاننا چاہیے کہ اذ قال ربک للملٰئکۃ اور واذ قال موسیٰ کی مثال میں لفظ اِذْ حقیقۃً ظرفِ فعلی ہے لیکن بعد میں اس کو تہویل وتخویف (ڈرانے ودھمکانے) کے معنی میں نقل کر لیا گیا ہے اور اسی کے مانند یہ بھی ہے کہ مثلاً کوئی شخص خوفناک مواضع یا واقعات کو اس طرح گنواتا ہے کہ نہ ان میں جملہ کی ترکیب دیتا ہے اور نہ ان کے اعراب ہی کہتا ہے کیوں کہ وہ ان واقعات

یا مواضع کو اس واسطے ذکر کرتا ہے کہ ان کی صورت ذہنِ سامع میں اچھی طرح جم جائے اور
اُن کے ذریعہ سے اُس کے قلب پر ایک گہرا خوف چھا جائے، ایسے مقامات کے لئے
تحقیق یہ ہے کہ ان میں عامل کی جستجو کچھ ضروری نہیں ہے، واللہ اعلم۔

جاننا چاہیے کہ انْ مصدریہ کے شروع سے کلمہ جارہ کو حذف کرنا کلامِ عرب میں شائع
ہے، اُس کے معنی کبھی لانْ اور کبھی بانْ اور کبھی وقت انْ ہوتے ہیں، اور نیز جاننا چاہیے کہ
ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت۔ ولو یری الذین ظلموا کی امثال میں اصل یہ ہے کہ یہ شرطِ
محذوف کا جواب ہوتا ہے۔ مگر اہلِ عرب نے اس قسم کی ترکیب کو معنی تعجب کیلئے نقل کر لیا ہے،
اس لئے یہاں شرطِ محذوف کے تلاش کی کوئی حاجت نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

ابدال ایک کثیر الانواع تصرف کا نام ہے۔ ابدال میں کبھی ایک فعل کو دوسری
کی جگہ میں مختلف اغراض کے لئے رکھتے ہیں، ان اغراض کا احاطہ کرنا اس کتاب کا مقصد
نہیں ہے۔

پ ۱۷ ر ۳ اهذا الذی یذکر آلھتکم ای یسب آلھتکم۔ یہ کلام اصل میں اس طرح تھا اهذا الذی یسب آلھتکم	یعنی کیا یہ وہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو ذکر کرتا یعنی گالی دیتا ہے۔

لیکن چونکہ لفظ سبّ کا ذکر کرنا مکروہ معلوم ہوا اس لئے اُس کے بدلے لفظ ذکر لائے، اس قسم کے
محاوراتِ عرفِ عام میں شائع ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ فلاں صاحب کے دشمن بیماری
میں مبتلا ہو گئے، یا بندگانِ جناب یہاں تشریف لائے یا بندگانِ عالی جناب اس امر سے
واقف ہیں، اس کا مطلب یہی ہے کہ فلاں صاحب بیمار ہو گئے، اور آپ یہاں تشریف
لائے اور آپ اس امر سے واقف ہیں۔

مثال ثانی پ ۲۳ ر ۷ ۔ منا لا یصحبون ای منا لا ینصرون، چونکہ نصرت بلا ملاقات و صحبت نہیں
ہو سکتی اس لئے یصحبون اُس کے بدلے لائے۔

پ ۹ ر ۱۳ ثقلت فی السموات والارض ای	ثقیل ہوئی یعنی قیامت آسمانوں اور زمینوں

خفیت[1] لان الشئ اذا خفی علمہ ثقل علی السموات والارض	میں یعنی پوشیدہ ہوئی کیوں کہ جب کسی شے کا علم پوشیدہ ہوا کرتا ہے تو آسمان اور زمین والوں پر دشوار ہوتا ہے
پ۴ ۲ر فان طبن[2] لکم عن شیئ منہ نفساً اے عفون لکم من شئے من طیبۃ من نفوسہن۔	اگر تم کو بطیب خاطر کچھ معاف کر دیں۔

اور کبھی ایک اسم کو دوسرے اسم کے مقابل لاتے ہیں:۔

پ۱۹ ۱۳ر فظلت[3] اعناقہم لہا خاضعین اے خاضعۃ۔ فکانت من القانتین اے من القانتات	پس ہو گئیں گردنیں اُن کی واسطے اُن کے جھکنے والی یعنی خاضعۃ۔ پس ہو گئی قنوت کرنے والوں سے یعنی کرنے والیوں میں سے۔
پ۳ ۱۱ر۔ وما لہم من ناصرین اے من ناصر	اور نہیں اُن کے لئے کوئی مددگار۔
پ۲۹ ۶ر فما منکم من احد عنہ حاجزین اے حاجز	پس نہیں کوئی تم میں سے اُسے روکنے والا۔
والعصر ان الانسان لفی خسر اے افراد بنی آدم یہاں انسان کو مفرد اس لئے لائے کہ وہ اسم جنس ہے۔	قسم ہے عصر کی تحقیق انسان البتہ نقصان میں ہے
یا ایہا الانسان انک کادح الی ربک کدحاً المعنی یا بنی آدم	اے آدم زاد تو اسی طرح گھسٹ گھسٹ کر اپنے پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہے۔

[1] اس مثال میں خفیت سے ثقلت بدلا گیا ہے کیوں کہ پوشیدگی کے لئے گرانی ضرور ہے جو چیز پوشیدہ ہوتی ہے وہ گراں اور شاق ہوا کرتی ہے۔

[2] اس مثال میں عفون سے طبن بدلا ہے کیوں کہ اس سے مراد وہ معافی ہے جو بطیب خاطر ہو۔

[3] اس مثال میں بجائے خاضعۃ خاضعین اور بجائے قانتات قانتین اور بجائے ناصر کے ناصرین اور بجائے حاجز کے حاجزین لائے ہیں۔

یہاں پر بھی لفظ انسان کے مفرد لانے کی وہی وجہ اسم جنس ہونا ہے۔ وحملہا الانسان یعنی بنی آدم کذبت قوم نوح المرسلین ای نوحاً وحدہٗ چونکہ تمام رسول وحدانیت کی تعلیم کرتے ہیں تو گویا ایک کی تکذیب تمام کی تکذیب ہے۔ انا فتحنا لک بجائے انی فتحت لک انا لقادرون ای انی لقادر یعنی انا لقادرون بجائے انا لقادر آیا ہے۔ ولکن اللہ یسلط رسلہ ای یسلط محمداً صلی اللہ علیہ وسلم یعنی بجائے محمدؐ کے رسلہ لائے ہیں۔ الذین قال لہم الناس ای عروۃ الثقفی وحدہٗ یہاں اسم جنس سے خاص فرد یعنی عروہ ثقفی مراد ہے اور الناس بجائے اُس کے مستعمل ہے۔ پ۱۴ فاذاقہا اللہ لباس الجوع یعنی ذائقہ جوع اور بھوک کا یہاں پر طعم کو لباس سے اس لئے بدلا گیا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ لاغری اور پژمردگی انسان کے لئے بھوک کا اثر ہے جو تمام بدن کو مثل لباس کے عام اور شامل ہوتی ہے پ۱ صبغۃ اللہ ای دین اللہ یہاں پر دین کو صبغۃ سے اس لئے بدلا ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ دین سے نفوس ایسے رنگے جاتے ہیں جیسا رنگ سے کپڑا یا قول نصاریٰ کی مشاکلت ہے کہ وہ بوقتِ ولادت رنگ میں غوطہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دین میں داخل ہو گیا۔ وطور سینین اے طور سینا۔ سلامٌ علیٰ الیاسین ای علیٰ الیاس، دونوں اسم رعایتِ قافیہ کی وجہ سے بدلے گئے ہیں۔

اور کبھی کسی حرف کو دوسرے حرف کی جگہ لاتے ہیں۔ امثلہ پ۹ فلما تجلّیٰ ربہ للجبل ای علی الجبل کوہ طور پر تجلی ربانی کی وہی صورت تھی جو اس سے پہلے شجر پر ہو چکی ہے۔ ہم لہا سابقون ای الیہا سابقون بجائے الیٰ کے لام آیا ہے۔ پ۱۹ لایخاف لدیّ المرسلون الا من ظلم ای لکن من ظلم استیناف یعنی علیحدہ کلام ہے۔ لاصلبنکم فی جزوع النخل بجائے علی فی آیا ہے۔ لہم سلم یستمعون فیہ ای یستمعون علیہ یہاں پر بھی فی علیٰ کی جگہ آیا ہے۔ السماء منفطر بہ ای منفطر فیہ بجائے فی کے با لائے ہیں۔ مستکبرین بہ ای عنہ یہاں عن با سے بدلا گیا ہے اخذتہ العزۃ بالاثم ای حملتہ العزۃ علی الاثم یہاں با علیٰ کے بجائے آیا ہے.... اور اخذ بمعنی حمل ہے۔ فاسئل بہ خبیراً ای فاسئل عنہ یہاں عن کی جگہ با آیا ہے۔

لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم ای مع اموالکم - إلی المرافق - ای مع المرافق - ہر دو مثال میں الیٰ مع کی جگہ مستعمل ہوا ہے - یشرب بہا عباد اللہ یشرب منہا با من کی جگہ لائی گئی ہے۔
وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علے بشر من شئ ای ان قالو یہاں إذ بجائے انَّ لایا گیا ہے۔

اور کبھی کسی جملہ کو دوسرے جملہ کی جگہ رکھتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک جملہ دوسرے جملہ کے حاصل معنی اور اس کے وجود کے سبب پر دلالت کرتا ہے تو ایسے موقع پر جملۂ اولے کو دوسرے جملہ سے بدل دیا جاتا ہے۔ مثلاً پ۲ ر۱۰ وان تخالطوہم فاخوانکم ای وان تخالطوہم لا باس بذالک کیوں کہ وہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان باہمی مخالطت اور میل جول ہے مثال ہذا میں چونکہ "فاخوانکم" "لا باس" کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا بجائے "لا باس بذلک" "فاخوانکم فی الدین" لے آئے پ۱ ر۱۲ لمثوبۃ من عند اللہ خیر ای لوجدوا ثوابا مثوبۃ من عند اللہ خیر۔ اس آیت میں بھی لمثوبۃ چونکہ لوجدوا کے حاصل معنی پر دلالت کرتا ہے لہٰذا اولے بجائے ثانیہ کے رکھا گیا۔ پ۱۳ ان یسرق فقد سرق اخ لہ من قبل ای ان سرق فلا عجب لانہ سرق اخ لہ من قبل۔ اس آیت میں بھی آیت ثانیہ سے چونکہ وہ معنی سمجھے جاتے تھے اس لئے جملہ اولے کی ضرورت نہ رہی من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہ علیٰ قلبک باذن اللہ ای من کان عدوا لجبریل فان اللہ عدو لہ یعنی جو شخص جبریل کا دشمن ہے، تحقیق اللہ اُس کا دشمن ہے کیوں کہ جبریل تیرے قلب پر اُسی کے حکم سے نازل کرتا ہے پس جبریل کا دشمن اس امر کا مستحق ہے کہ اللہ اُس سے دشمنی کرے۔ یہاں آیت ثانیہ کی وجہ سے "فان اللہ عدو لہ" کو حذف کر دیا ہے اور اُس کے بدل فانہ نزلہ علے قلبک لائے ہیں۔

اور بعض اوقات ابدال کی یہ صورت ہوتی ہے کہ اصل کلام تنکیر کو چاہتا ہے لیکن اُس میں لام یا اضافت کو داخل کرکے تصرف کرتے ہیں۔ مگر وہ کلام اپنی اسی سابق تنکیر

پر رہتا ہے، پ ۲۵ ر ۱۳ وقیلہ یارب ای رب قیل لہ یارب قیلہ یارب سے اس لئے بدلا گیا ہے
کہ یہ لفظ اُس کے اعتبار سے زیادہ مختصر ہے حق الیقین ای حق یقین اس لئے اضافت
کیا گیا ہے کہ تلفظ میں زیادہ آسان ہے۔ اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا تذکیر ضمیر یا تانیث
یا افراد ہوتا ہے مگر اس کو اقتضا طبعی سے ہٹا کر مذکر کے بدلے مؤنث اور مؤنث کے بدلے
مذکر اور مفرد کے عوض جمع صرف معنوں کا خیال کر کے لاتے ہیں مثلاً فلما رأی الشمس
بازغۃ قال ہذا ربی ہذا اکبر تا من القوم الظالمین اس آیت میں اسم اشارہ مذکر بجائے
مؤنث کے استعمال کیا گیا ہے مثلہم کمثل الذی استوقد نارا فلما اضاءت ما حولہ ذہب اللہ
بنورہم اس آیت میں ضمیر جمع بجائے ضمیر مفرد لائے ہیں اور کسی وقت بجائے تثنیہ کے
مفرد ذکر کرتے ہیں جیسے الا ان اغنہم اللہ ورسولہ من فضلہ میں فضلہ بجائے فضلہما ہے
ان کنت علیٰ بینۃ من ربی واتانی رحمۃ من عندہ فعمیت علیکم اصل میں فعمیتا تھا مفرد
اس لئے لائے کہ دونوں مثل شے واحد کے ہیں۔ اور اسی کے مثل اللہ ورسولہ
اعلم ہے۔

اور کبھی کلام کی صفت طبعی کا اقتضا ہوتا ہے کہ جزا کو صورتِ جزا میں اور شرط
کو صورتِ شرط میں اور جوابِ قسم کو اس کی اصلی صورت میں ذکر کیا جائے، کسی خاص معنیٰ
کی جانب میلان کی وجہ سے اس میں تصرف کرتے اور اُن اجزا کو مستقل بنا دیتے
ہیں۔ اور ساتھ ہی ایک قرینہ بھی قائم کر دیتے ہیں تاکہ وہ اُس کے اصل (عدم استقلال)
کی جانب کسی نہ کسی طریقہ سے دلالت کرتا ہے۔ والنازعات غرقا والناشطات نشطا و
السابحات سبحا فالسابقات سبقا فالمدبرات امرا یوم ترجف الراجفۃ۔ معنیٰ یہ ہیں کہ حشر و نشر
حق ہے یوم ترجف اس پر دلالت کرتا ہے۔ والسماء ذات البروج والیوم الموعود وشاہد ومشہود
قتل اصحاب الاخدود النار معنی یہ ہیں کہ اعمال کی مجازاۃ حق ہے۔ اذا السماء انشقت واذنت
لربہا وحقت واذا الارض مدت والقت ما فیہا وتخلت واذنت لربہا وحقت یا ایہا الانسان

اتک کادح. معنی یہ ہیں کہ حساب اور جزا ہونے والے ہیں۔
اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلوب کلام کو منقلب کر دیا جاتا ہے مثلاً اسلوبِ کلام خطاب کا مقتضی ہوتا ہے مگر غائب لے آتے ہیں جیسا کہ حتی اذا کنتم فی الفلک و جرین بہم بریح طیبۃ میں بہم بجائے بکم کے لایا گیا ہے اور کبھی انشا کو خبر کے اور خبر کو انشا کی جگہ استعمال کرتے ہیں مثال پ ۲۹ ر فاشوانی مناکیہا ای فتشوان کنتم مؤمنین ای ایمانکم یقتضی ہذا۔ اس مثال میں جملہ انشائیہ جملہ خبریہ کی جگہ مستعمل ہوا ہے۔ من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسرائیل معنی یہ ہیں کہ بنی آدم کے حال پر قیاس کر کے ہم نے فرض کیا ہے یا اولادِ آدم کی مثال حال پر قیاس کر کے فرض کیا ہے تو مثالِ حال سے من اجل ذلک بدلا گیا ہے کیوں کہ قیاس بدونِ ملاحظۂ علت نہیں ہوتا گویا کہ قیاس تعلیل کی قسم ہے۔ ارأیت اصل رؤیت سے استفہام ہے کیوں کہ ہمزہ استفہامیہ ہے مگر یہاں پر اس لئے تاکہ استماعِ کلام آئندہ پر تنبیہ ہو استفہام سے نقل کر لیا ہے۔ چنانچہ ہیچ می بینی ہیچ می شنوی (کچھ دیکھتا ہے کچھ سنتا ہے) عام طور سے بولتے ہیں۔ اور تقدیم و تاخیر سے بھی معنی کے سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے اس کی مثال یہ مشہور شعر ہے ؎

بثینۃ شأنہا سلبتْ فؤادی بلا جرم أتیت بہ سلاما

یہاں پر بثینۃ جو فاعلِ سلبتْ ہے مقدم کیا گیا ہے اس کی وجہ سے فہمِ معنی میں کچھ دشواری ہو گئی ہے اور امر بعید سے تعلق اور اس کے مماثل اشیا بھی کلام میں گنجلک پیدا کرتے ہیں مثال س ۱۴ ر ۴ إلا آل لوط انا لمنجوہم اجمعین إلا امرأتہ یہاں استثنا پر استثنا لایا گیا ہے اس سے دشواری پیدا ہو گئی فما یکذبک بعد بالدین قولِ سابق یعنی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم سے متصل س ۱۷ ر ۹ یدعو لمن ضرہ اقرب من نفعہ ای یدعو من ضرہ یعنی وہ ضرر والے کو پکارتا ہے س ۲۰ ر ۱۱ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ ای لتنوء العصبۃ بہا۔ س ۶ ر ۷ وامسحوا برؤسکم وارجلکم ای اغسلوا ارجلکم یعنی ارجل مکسور نہیں جو امسحوا کے تحت میں ہو بلکہ منصوب ہے۔ س ۱۶ ر ۱۷ ولولا کلمۃ سبقت من ربک

لکان لزاماً و اجل مسمی ای ولولا کلمۃ سبقت و اجل مسمی لکان لزاماً یعنی اجل مسمی کلمۃ پر معطوف ہے
لزاماً پر نہیں۔ پ ۶ ر ان لا تفعلوہ تکن فتنۃ فعلیکم النصر سے متصل ہے۔ پ ۲۸ ر الا قول ابراہیم۔ کانت
لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراہیم سے متصل ہے۔ یسئلونک کانک حفی عنہا ای یسئلونک عنہا کانک حفی۔
سنن طبعی پر زیادتی کی چند اقسام ہیں۔ یہ زیادتی کبھی صفت سے حاصل ہوتی ہے۔
۷۔ ۱۔ ولا طائر یطیر بجناحیہ۔ ۲۹۔ ۷ خلق الانسان ہلوعاً اذا مسہ الشر جزوعاً و اذا مسہ الخیر
منوعاً اور کبھی ابدال سے۔ ۸۔ ۷ للذین استضعفوا لمن آمن منہم اور کبھی عطف تفسیری سے
۲۶۔ ۲ حتی اذا بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ اور کسی وقت تکرار سے ۱۱۔ ۱۲۔ وما یتبع الذین
یدعون من دون اللہ شرکاء ان یتبعون الا الظن یہاں اصل کلام یوں ہے وما یتبع الذین یدعون من
دون اللہ شرکاء الا الظن۔ ۱۔ ۱۱ ولما جاءہم کتاب من عند اللہ مصدق لما معہم وکانوا من قبل
یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءہم ما عرفوا کفروا بہ پ ۴ ر ۱۲ ولیخش الذین لو ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعافاً
خافوا علیہم فلیتقوا اللہ اس آیت میں تکرار معنی ہے یعنی خشیہ اور خوف ایک معنی میں ہے اور خافو مکرر آیا ہے۔ ۲۔ ۸
یسئلونک عن الاہلۃ قل ہی مواقیت للناس والحج یعنی اہلہ (ہلال) لوگوں کیلئے اسلئے مواقیت ہیں کہ خداوند
تعالیٰ نے ان کے ساتھ اُن کے لئے توقیت اور حج مشروع فرمایا ہے اس اعتبار سے کہ حج کے لئے
اُن کے ساتھ توقیت حاصل ہے۔ اگر ہِیَ مَوَاقِیتُ لِلنَّاسِ وَ الحج کہا جاتا تو مختصر ضرور ہوتا
لیکن اس مقام پر کلام طویل لایا گیا ہے۔ ۷۔ ۷ لتنذر اُمّ القریٰ ومن حولہا وتنذر
یوم الجمع ای تنذر اُمّ القریٰ یوم الجمع۔ پ ۲ ر۔ وتری الجبال تحسبہا جامدۃ ای تری الجبال
جامدۃً چونکہ رؤیت چند معنی کے لئے آتی ہے اس واسطے حسبان زیادہ کر دیا گیا تاکہ معلوم
ہوجائے کہ رؤیت بمعنی حسبان ہے۔ ۲۔ ۱۲ کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین
مبشرین ومنذرین وانزل معہم الکتاب بالحق لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ وما اختلف
فیہ الا الذین اوتوہ من بعد ما جاءتہم البینات بغیاً بینہم فہدی اللہ الذین آمنوا لما اختلفوا
فیہ من الحق باذنہ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔ مابین کلام منتظم کے جو جملہ

وما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ داخل کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے تاکہ ضمیر اختلفوا کا بیان اور مراد اختلاف کا اظہار ہو جائے کہ یہاں پر اختلاف سے کیا مراد ہے امت دعوت میں نزول کتاب کے بعد جو اختلاف واقع ہوا ہے کہ بعض ایمان لائے اور بعض نہیں یہی اختلاف مراد ہے۔ اور بعض اوقات اضافت کے لئے فاعل یا مفعول پر حرف جر زیادہ کرتے ہیں اور حرف جر کے ذریعہ سے اس کو مفعول فعل تاکید اتصال کی وجہ سے بناتے ہیں۔ ۱-۱۱ یوم تحمی علیہا ای تحمی ہی۔ آیت ہذا میں علیٰ زیادہ کیا گیا ہے۔ ۶-۱۱ وقفینا علی آثارہم بعیسی ابن مریم ای قفینا ہم بعیسی ابن مریم اس آیت میں علی آثار بڑھایا گیا ہے۔

یہاں پر یہ نکتہ معلوم کر لینا چاہئے کہ حرف واؤ بہت جگہ تاکید اتصال کی غرض سے آیا ہے اور عطف کے لئے نہیں ہوتا اذا وقعت الواقعۃ وکنتم ازواجاً ثلثہ۔ وفتحت ابوابہا وتمحیص اللہ یہ تمام مثالیں تاکید اتصالی کی ہیں یہاں پر واؤ عطف کے لئے نہیں ہے اور حرف فا بھی یوں ہی زائد آتا ہے۔ قسطلانی نے باب المعتمر اذا طاف طواف العمرۃ ثم خرج ہل یجزئہ من طواف الوداع میں بیان کیا ہے کہ صفت اور موصوف کے درمیان میں ان کی تاکید اتصال کے لئے حرف عاطف کا لانا درست ہے مثلاً ۱۰-۳ اذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض اس آیت میں منافقون اور الذین موصوف صفت ہیں۔ حرف واؤ جو درمیان میں ہے عطف کے لئے نہیں تاکید اتصال کے واسطے ہے۔ سیبویہ کہتا ہے کہ یہ "مررت بزید وصاحبک" کے مثل ہے جب کہ اس کلام میں صاحب سے زید ہی مراد ہو۔

اور ۱۴-۱ وما اہلکنا من قریۃ الا ولہا کتاب معلوم کے ذیل میں زمخشری کہتا ہے کہ یہ جملہ (لہا کتاب معلوم) لفظ قریہ کی صفت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ صفت و موصوف کے درمیان واؤ نہ آئے، مثلاً قولہ تعالیٰ وما اہلکنا من قریۃ الا لہا منذرون لیکن یہاں پر واؤ صفت و موصوف کے اتصال کی تاکید کے لئے آیا ہے جیسا کہ حال میں بھی کہا جاتا ہے

جاءنی زید علیہ ثوب وجاءنی وعلیہ ثوب انتہیٰ۔

اور کبھی ضمیر کی پراگندگی، اور ایک کلمہ سے دو معنی کا مراد لینا فہم مراد میں دشواری لاتا ہے۔ ۲۵ - ۱۵ - وانہم لیصدونہم عن السبیل ویحسبون انہم مہتدون۔ یہ انتشار ضمیر کی مثال ہے یعنی ان الشیاطین لیصدون الناس عن السبیل ویحسبون انہم مہتدون۔ یہ شیاطین آدمیوں کو راستہ سے روکتے ہیں اور وہ یعنی انسان اپنے مہتد ہونے کا گمان کرتے ہیں۔ ہُم کی ضمیر شیاطین کی جانب پھرتی ہے اور لیصدونہم کی ناس کی طرف اور یحسبون سے ناس ہی مراد ہیں یہ انتشارِ ضمیر کی صورت ہے۔ وقال قرینہ ایک جگہ شیطان مراد ہے اور دوسری جگہ فرشتہ یہ مثال ایک کلمہ سے دو معنی مراد لینے کی ہے۔

۲ - ۱۰ - ایسئلونک ماذا ینفقون قل ما انفقتم من خیر
۲ - ۱۱ - ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو
} ہر دو آیت کے دو معنی ہیں اول معنی انفاق ما ینفقون وای نوع من الانفاق

ینفقون یعنی خرچ کرنے کی جس قسم سے وہ خرچ کرتے ہیں اور یہ مصرف سے دریافت کرنے پر صادق ہے کیوں کہ خرچ کرنا مصارف کے اعتبار سے چند قسم ہے۔ معنی ثانی ای مالٌ ینفقون یعنی جو مال تقسیم کرتے ہیں۔

اور لفظ جعل وشئ وغیرہ کا معانی مختلفہ کے لئے مستعمل ہونا بھی اسی قبیل سے ہے یعنی فہم مراد میں صعوبت پیدا کرتا ہے جعل کبھی تو خلق کے معنی میں آتا ہے جیسے جعل الظلمات والنور میں یعنی تاریکی اور روشنی کو پیدا کیا اور کبھی بمعنی "اعتقد" کے۔ ۸ - ۳ وجعلوا للہِ مما ذرء اور لفظ شئ کبھی فاعل اور کبھی مفعول مطلق کی جگہ آتا ہے۔ ۲۷ - ۴ - ام خلقوا من غیر شئ ای من غیر خالق یعنی کیا وہ بغیر خالق کے پیدا کئے گئے ہیں یہاں پر شئے بجائے خالق کے مستعمل ہوئی ہے۔ ۱۵ - ۲۱ فلا تسئلنی عن شئ ای عن شئ مما توقف فیہ من امری یعنی اور میرے کاموں میں سے کسی چیز کی نسبت جس میں تجھ کو تامل ہو سوال نہ کر۔ اور لفظ امر و نبأ وخطب سے کسی وقت مخبر عنہ (قصہ) مراد لیتے ہیں ہو نبأ عظیم ای قصۃ عجیبۃ

یعنی وہ عجب قصہ ہے۔ علیٰ ہذا الفاظ غیر و شر اور اُن کے ہم معنی الفاظ ہر مقام پر بدلے جاتے ہیں۔

اور انتشارِ آیات بھی اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً ایک آیت جس کا اصلی موقع قصہ کے ختم کرنے کے بعد ہے اُس کو کبھی قصہ کے تمام ہونے سے پیشتر ہی بیان کر دیتے ہیں اور پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے اور اس کو تمام کرتے ہیں۔ اور کوئی آیت کبھی نزول میں مقدم اور تلاوت میں مؤخر ہوتی ہے۔ ۲-۱ قد نری تقلب وجھک نزول میں مقدم ہے اور سیقول السفہاء مؤخر لیکن تلاوت میں قصہ برعکس ہے۔ اور کسی وقت جواب کو کفار کے کلام کے درمیان میں ذکر کیا جاتا ہے ولا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم قل ان الھدیٰ ہدی اللہ ان یؤتیٰ احد مثل ما اُوتیتم۔

الحاصل یہ مباحث نہایت تفصیل چاہتے ہیں لیکن ہم نے جس قدر بیان کیا وہ کافی ہے۔ سعادت مند طالب علم اگر ان مسائل کو دل میں جاگزیں کرے گا تو وہ کلام اللہ پڑھتے وقت ادنیٰ غور سے بات کی تہ کو پہنچ جائے گا اور امور غیر مذکور کو مذکور پر قیاس کر کے ایک مثال سے دوسری مثالوں تک اُس کی رسائی ہو سکے گی۔

جاننا چاہیے کہ محکم اس کلام کو کہتے ہیں جس سے زبان کا جاننے والا سوائے ایک معین معنی کے نہ سمجھ سکے مگر اس سمجھنے میں اعتبار پہلے عربوں کا ہے نہ کہ ہمارے زمانے کی بال کی کھال نکالنے والوں کا جن کی موشگافی ایک ایسا سخت ترین مرض ہے جس کے ذریعہ سے وہ محکم کو متشابہ اور معلوم کو مجہول بنا ڈالتے ہیں۔

اور متشابہ وہ کلام ہے جس میں دو معنی کا احتمال ہو، یا ضمیر کے دو مرجعوں کی جانب لوٹنے کے احتمال کی وجہ سے جیسا کسی نے کہا ہے "اما ان الامیر امرنی ان العن فلاناً لعنہ اللہ" یعنی مجھکو امیر نے حکم کیا ہے کہ فلاں شخص کو لعنت کروں، اللہ اس کو لعنت کرے"۔ یہاں اشتباہ ہے کہ اس کو لعنت کرنے سے کیا مراد ہے آیا شخص مامور ہے یا آمر اور

یا اس وجہ سے کہ وہ کلمہ دو معنی میں مشترک ہی مثلاً لَامَسْتُم جماع اور چھونے میں مشترک ہے
اور یا اس وجہ سے کہ قریب اور بعید دونوں پر عطف کا احتمال ہو مثلاً وامسحوا برؤسکم وارجلکم
درصورت قراۃ کسرہ یا یکہ عطف اور استیناف دونوں کا احتمال ہو جیسے وما یعلم تاویلہ الا اللہ
والراسخون فی العلم۔

اور کنایہ اُس کلام کو کہتے ہیں جس میں کسی حکم کو ثابت تو کیا جائے مگر خاص اُس حکم کا اثبات مقصود نہ ہو بلکہ یہ منظور ہو کہ اس سے مخاطب کا ذہن ایسی شئے کی طرف منتقل ہو جائے جو اس حکم کو عادۃً یا عقلاً لازم ہو۔ مثلاً "عظیم الرماد" سے مہمانداری کی کثرت اور "یداہ مبسوطتان" سے سخاوت سمجھ میں آتی ہے۔ اور اپنے مراد کی تصویر محسوسات سے کھینچنا بھی کنایہ کے ہی قبیل سے ہے۔ اور یہ ایک نہایت وسیع باب ہے جس کو عربوں کے اشعار و خطبات اور کلام اللہ واحادیث نبوی صلے اللہ علیہ وسلم پُر ہیں۔

مثلاً واجلب علیہم بخیلک ورجلک اس جگہ ڈاکوؤں کے سردار سے تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ وہ (غارت گری کے وقت) اپنے ساتھیوں کو للکارتا ہے کہ اِدھر سے حملہ کرو اور اُس طرف سے گھس پڑو۔ وجعلنا فی اعناقہم اغلالاً اِس آیت میں تدبر آیات سے کفار کے اعراض کو ایسے شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو یا تو زنجیروں سے جکڑ دیا ہو یا اُس کے چاروں طرف دیواریں کھڑی کردی گئی ہوں تاکہ وہ کچھ نہ دیکھ سکے اور مثلاً واضمم الیک جناحک من الرہب یعنی خاطر جمع رکھ اور پریشانی کو دور کردے۔

اور عام محاورہ میں اس کی نظیر یہ ہے کہ مثلاً اگر کسی شخص کی شجاعت کا بیان کرتے ہیں تو تلوار کے ایک دو ہاتھ اِدھر اُدھر جھاڑ کر بتاتے ہیں کہ وہ یوں تلوار چلاتا ہے گو اُس نے مدت العمر تلوار ہاتھ میں نہ پکڑی ہو۔ لیکن اس فعل سے مقصود اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ بہادر ہے۔ یا کسی کا مقولہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ زمین پر کسی کو ایسا بہادر نہیں پاتا جو مجھ سے مقابلہ کی تاب رکھتا ہو

یا کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا کرتا ہے اور ایسی ہیئت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا اظہار شکست پہ پہلوان
اپنے حریف کے مغلوب ہونے کے وقت کرتا ہے۔ اگرچہ اس نے کبھی یہ کلمہ نہ کہا ہو۔ یا یہ فعل نہ کیا ہو
یا مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص میرا گلو گیر ہو رہا ہے یا فلاں شخص نے میرے گلے میں ہاتھ ڈال کر لقمہ
نکال لیا ہے۔ ان تمام صورتوں کو از قسم تصویر سمجھنا چاہیے۔

تعریض یہ ہے کہ حکم تو عام ہو لیکن مقصود کسی خاص شخص کا حال بیان کرنا یا کسی خاص شخص
کے حال پر تنبیہ کرنا ہو اور اس کی بعض خصوصیات کلام میں لائی جائیں اور مخاطب کو اس شخص سے
واقف نہ کیا جائے۔ اس قسم کے مقامات میں قرآن مجید کا پڑھنے والا اکثر منتظر رہتا اور اس
قصہ کا محتاج ہوتا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی خاص شخص کے فعل پر انکار کرنا چاہتے
تھے تو فرمایا کرتے تھے، کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسا کرتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں "وما
کان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم" (اور کسی مسلمان مرد
اور عورت کو یہ شایان نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول (ان کے بارے میں) کوئی بات
ٹھہرا دیں تو اس بات میں اس کا اپنا اختیار باقی رہے) حضرت زینب اور حضرت زید رضی اللہ
عنہما کے قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیت "ولا یأتل اولو الفضل منکم والسعۃ"[1] میں حضرت صدیق
اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایسی صورتوں میں جب تک قصہ نہ معلوم ہو مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

مجاز عقلی یہ ہے کہ فعل کو ایسے شخص کی طرف منسوب کریں جو حقیقت میں اس کا فاعل نہیں
ہے اور ایسی چیز کو مفعول بہ بنائیں جو درحقیقت مفعول بہ نہیں ہے، اس مشابہت کے علاقہ کی وجہ
سے جو ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے متکلم اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ بھی ان میں داخل

[1] اور تم میں سے جو لوگ بزرگی بخش اور صاحب مقدور ہیں وہ اپنے قرابت والوں اور محتاجوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت
کرنے والوں کو مدد خرچ نہ دینے کی قسم نہ کھا بیٹھیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے خالہ زاد
بھائی مسطح کی مدد نہ کریں گے جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سنائی تو آپ نے فرمایا کہ واللہ میں کبھی
اپنا احسان اس سے منقطع نہ کروں گا۔ (تفسیر تیسیر الرحمن جلد دوم)۔

اور ان کی جنس سے ہے کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے محل بنایا حالانکہ بنانے والے معمار ہوتے ہیں یا بہار نے سبزہ اگایا حالانکہ حقیقت میں اگانے والا حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

باب سوم

قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے بیان میں۔ اور یہ بحث تین فصلوں میں بیان کی جائے گی۔

فصل اوّل۔ قرآن مجید کو مثل معمولی کتابوں کے ابواب اور فصول میں اس طرح مرتب نہیں کیا گیا کہ ہر مبحث کو ایک جداگانہ باب یا فصل میں بیان کیا جاتا ہے بلکہ قرآن مجید کو مثل مجموعۂ مکتوبات کے فرض کرنا چاہیے جس طرح کہ بادشاہ اپنی رعایا کو حسب ضرورتِ وقت ایک فرمان لکھتے ہیں، اس کے بعد دوسرا اور تیسرا فرمان لکھتے ہیں یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص ان کو جمع کر کے ایک مجموعہ مرتب کر دیتا ہے اسی طرح اس بادشاہ علی الاطلاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بندوں کی ہدایت کے لیے حسبِ ضرورتِ وقت قرآن مجید کی سورتیں یکے بعد دیگرے نازل فرمائیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہر ایک سورۃ جداگانہ مرتب اور محفوظ تھی۔ آپ نے ان کو مدوّن نہیں فرمایا تھا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں تمام سورتیں ایک جلد میں ایک خاص ترتیب کے ساتھ جمع کی گئیں۔ اور یہ مجموعہ مصحف کے نام سے موسوم ہوا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان قرآن مجید کی سورتیں چار قسموں پر منقسم تھیں۔ اوّل طوال جو سب سے بڑی سورتیں ہیں۔ دوم مئین جن میں سے ہر ایک کی سو آیتیں یا سو سے کچھ زیادہ ہیں۔ سوم مثانی جن کی آیتیں سو سے کم ہیں۔ چہارم مفصل۔ قرآن مجید کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی کی قسم سے تھیں وہ مئین میں داخل کی گئیں اس لئے کہ ان کا سیاق مئین کے سیاق سے مناسبت رکھتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس بعض اقسام میں کسی قدر اور بھی تصرف کیا گیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مصحف کے مطابق چند نسخے لکھوا کر اطراف میں بھیج دیئے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں اور کسی دوسری

ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔

چونکہ سورتوں کا اسلوب بیان شاہی فرامین کے اسلوب سے پوری مناسبت رکھتا تھا اس لئے سورتوں کی ابتدا اور انتہا میں مکاتیب کے طریقہ کی رعایت رکھی گئی۔ جس طرح بعض مکاتیب خدا کی تعریف سے شروع کئے جاتے ہیں اور بعض بیان غرض سے اور بعض کاتب یا مکتوب الیہ کے نام سے اور بعض رقعے اور شقے بغیر عنوان کے ہوتے ہیں۔ نیز بعض مکتوب طویل اور بعض مختصر ہوتے ہیں، اسی طرح خداوند جلت عظمتہ' نے بعض سورتوں کو حمد یا تسبیح سے شروع فرمایا اور بعض کو بیانِ غرض سے۔ چنانچہ فرمایا[1] "ذالک الکتٰب لاریب فیہ ہدًی للمتقین" "سورۃ انزلنٰہا وفرضنٰہا"۔ یہ قسم اُس عنوان کے مشابہ ہے جو دستاویزوں کے آغاز میں لکھا جاتا ہے مثلاً[1] "ہذا ما صالح فلان وفلان و ہذا ما اوصٰی بہ فلان" یا جیسا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں لکھا تھا[2] "ہذا ما قاضٰی علیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ بعض مرسل و مرسل الیہ کے نام سے شروع کی گئیں جیسا کہ فرمایا ہے[3] "تنزیل الکتٰب من اللہ العزیز الحکیم۔ کتاب احکمت آیاتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر"۔ یہ قسم اُس کے مشابہ ہے جیسا کہ لکھا جاتا ہے: "حکم بارگاہ خلافت سے صادر ہوتا ہے یا باشندگانِ فلاں شہر کو بارگاہ خلافت سے آگاہ کیا جاتا ہے"۔ اور جیسا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا: "من محمد رسول اللہ الٰی ہرقل عظیم الروم"۔ اور بعض سورتیں بطور

---

[1] یہ وہ ہے جس پر فلاں وفلاں نے باہم صلح کی۔ یہ وہ ہے جس کی فلاں شخص نے وصیت کی۔

[2] یہ وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا۔

[3] یہ وہ کتاب ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں پرہیزگاروں کی رہنما ہے۔ یہ وہ سورۃ ہے جسکو ہم نے اُتارا۔

[4] یہ فرمان تحریری پیشگاہ خداوندی سے صادر ہوتا ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔ یہ قرآن ایسی کتاب ہے کہ حکمت والے باخبر اللہ کی طرف سے اس کی آیتیں مستحکم اور مفصل کی گئی ہیں۔

رکوعوں اور شقوں کے بغیر عنوان کے ہیں جیساکہ اذا جاوک المنافقون۔ قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا۔ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔

چونکہ عرب کی مشہور فصاحت کا نمونہ قصائد ہیں اور وہ اپنے قصیدوں کے آغاز میں عجیب وغریب مقامات اور ہولناک واقعات کے ساتھ تشبیب کرتے تھے اور یہ رسم قدیم سے ان کے یہاں چلی آتی تھی، خداوند تعالےٰ نے بعض سورتوں میں اس اسلوب کو اختیار فرمایا۔ مثلاً۔ والصافات صفاً فالزاجرات زجراً۔ والذاریات ذرواً فالحاملات وقراً۔ اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت۔ اور جس طرح کہ مکاتیب کو کلمات جامعہ اور وصایائے نادرہ اور احکامات سابقہ کے لئے تاکیدات اور ان کی مخالفت کرنے والے کے لئے تہدیدات پر تمام کرتے ہیں، ایسے ہی خداوند تعالیٰ نے بھی سورتوں کے آخری حصہ کو کلمات جامعہ اور حکمت کے سرچشموں اور تاکیدات بلیغہ اور تہدیدات عظیمہ پر ختم فرمایا۔ اور کبھی سورۃ کے درمیان میں کوئی نہایت مفید اور نرالے اسلوب کا بلیغ کلام مثلاً حمد وتسبیح یا بیان انعام واحسان شروع کیا جاتا ہے، مثلاً اس آیت میں خداوند تعالےٰ نے خالق اور مخلوق کے مرتبہ کے فرق[1] سے شروع کیا ہے قل الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ اللہ خیر اما یشرکون۔ اور اس کے بعد پانچ آیتوں میں اسی مدعا کو نہایت بلیغ طریقوں اور نرالے اسلوب کے ساتھ بیان فرمایا۔ اور مثلاً خداوند جل شانہ نے سورۂ بقرہ کے اندر بنی اسرائیل سے مناظرہ یعنی اسرائیل

[1] خالق اور مخلوق کا فرق مراتب جو اس آیت میں بالاجمال بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل جن پانچ آیتوں میں کی گئی ہے وہ مع ترجمۂ اردو ذیل میں درج کی جاتی ہیں:۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ	بھلا کس نے بنائے آسمان وزمین اور برسایا تمہارے لئے آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق کے تمہارا کام تھا کہ اگاتے ان کے درخت اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کیساتھ (کوئی نہیں) مگر یہ لوگ راہ سے کجروی

(باقی صفحہ ۶۳ پر)

اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم سے شروع فرمایا۔ اور آگے جا کر اس مناظرہ کو اسی کلمہ پر ختم فرمایا۔ مناظرہ کی ابتدا جس کلام سے ہو اسی پر اس کا ختم کرنا بلاغت کے اعتبار سے نہایت زبردست مقام رکھتا ہے۔ اور ایسے ہی اہل کتاب سے مناظرہ سورہ آل عمران کے ابتدائی حصہ میں اس آیت سے شروع فرمایا ان الدین عند اللہ الاسلام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محل نزاع (مبحث) کی تعیین اوّل ہو جائے اور آئندہ گفتگو اسی ایک مدعا پر کی جائے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

فصل دوم

جیسا کہ قصائد اشعار پر منقسم ہوتے ہیں ایسے ہی اکثر سورتوں میں سنت اللہ یوں جاری ہے کہ وہ آیات پر منقسم ہوتی ہیں مگر آیات اور اشعار میں فرق ہے۔ آیات اور ابیات دونوں جو از قسم نشید ہیں متکلم اور سامع کے التذاذ نفس اور حظ طبعی کے لئے انشا کی جاتی ہیں۔ لیکن ابیات عروض اور قافیہ کی پابند ہوتی ہیں جن کو خلیل نحوی نے مدوّن کیا ہے۔ اور عام شعرا نے انہیں اس سے حاصل کیا ہے اور آیات کی بنیاد ایک ایسے اجمالی وزن و قافیہ پر ہوتی ہے جو امر طبعی سے زیادہ تر مشابہ ہے اور عروضیوں کے افاعیل تفاعیل اور انکے معین کردہ قوافی پر نہیں ہوتے جو محض مصنوعی اور اصطلاحی امور ہیں۔ اور اس امر عام کی تنقیح جو آیات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲)

يَعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

کرتے ہیں۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس میں بوجھ اور رکھی دو دریاؤں میں اوٹ اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ (کوئی نہیں) مگر ان میں اکثر لوگ نہیں جانتے بھلا کون ہے جو پہنچے کی پکار کو پہنچتا ہے جب اسکو پکارتا ہے اور

اور ابیات میں مشترک ہو اور جس کو ہم نے تشید سے تعبیر کیا ہے اور پھر ان تمام امور کو ضبط کرنا جن کا آیات میں التزام کیا گیا ہے اور جو بمنزلہ فصل کے ہو زیادہ تفصیل چاہتا ہو" واللہ ولی التوفیق

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہو کہ فطرت سلیم موزوں اور مقفی قصائد اور نفیس رجزوں وغیرہ سے ایک خاص لطف اور خاص ذوق وحلاوت کا احساس کرتی ہو اگر اس احساس کے سبب کی جستجو کی جائے تو معلوم ہو گا کہ ایسا کلام جس کے اجزا باہم موافقت رکھتے ہوں مخاطب کے نفس میں ایک قسم کی لذت دیتا اور اس کے مثل دوسرے کلام کا انتظار اُس کے دل میں پیدا کر دیتا ہے اور جب اس کے بعد دوسرا شعر اُسی موافقتِ اجزا کیسا مخاطب کے نفس پر واقع ہوتا ہے اور جس چیز کا انتظار تھا وہ موجود ہو جاتی ہو تو وہ لذت سابق دو بالا ہو جاتی ہے اور اگر وہ دونوں بیت قافیہ میں بھی شریک ہوں تو وہ لذت سہ چند ہو جاتی ہے پس انسان کی قدیم فطرت کا یہی راز ہے جس کی بنا پر اُس کو اشعار سے لذت حاصل ہوتی ہے اور معتدل اقالیم کے تمام سلیم المزاج اشخاص اس اصول میں باہم متفق ہیں لیکن ہر بیت کے اجزا کے موافق اور قافیہ کے شرائط کی نسبت جو اشعار میں مشترک ہوتا ہو ان کے مسلک باہم مختلف اور ان کے عادات متبائن ہو گئے ہیں۔ اہلِ عرب ایک خاص قانون رکھتے ہیں جس کی تشریح خلیل نے کی ہے۔ اور ہندوؤں کے ہاں دوسرا طریقہ ہو جو ان کی سلیقے اور مذاق کے تابع ہے۔ علیٰ ہذالقیاس ہر زمانے کے لوگوں نے ایک خاص وضع اختیار کی اور ایک خاص شاہراہ قائم کر کے اُس پر چلے ہیں اگر ہم ان متبائن عادات اور مختلف رسوم میں اہم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳)

السُّوٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ یَّهْدِیْکُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

ٹال دیتا ہے مصیبت کو اور کرتا ہو تم کو نائب زمین پر اب کوئی حاکم ہو اللہ کیساتھ؟ اگر تم غور و فکر کم کرتے ہو بھلا کون راہ بتاتا ہے تمکو اندھیروں میں جنگل اور دریا

جامع اور سرِ مشترک کی دریافت کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اجزائے کلام میں تخمینی موافقت و مناسبت کے سوا کوئی دوسری شئے نہیں ہے۔ مثلاً عرب مستفعلن کی جگہ مفاعلن اور مفتعلن لے آتے ہیں اور فاعلاتن کے بجائے فعلاتن اور فاعلتن کو لانا باقاعدہ خیال کرتے ہیں اور وہ ایک بیت کی ضرب کی موافقت دوسری بیت کی ضرب کیساتھ اور ایک کے عروض کی دوسری بیت کے عروض کے ساتھ ضروری خیال کرتے ہیں اور حشو میں بکثرت زحافات تجویز کرتے ہیں۔ مگر شعرائے فارس کے نزدیک زحافات مکروہ اور قبیح سمجھے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا شعرائے عرب اگر ایک بیت میں قیوراً ہو تو دوسری بیت میں منیراً اچھا سمجھتے ہیں مگر شعرائے عجم اس کے خلاف ہیں علیٰ ہذا شعرائے عرب حاملؔ و داخلؔ و نازلؔ کو ایک ہی قسم شمار کرتے ہیں بخلاف شعرائے عجم کے وہ اُن الفاظ کو ایک قسم شمار نہیں کرتے ایک کلمہ کا دونوں مصرعوں کے درمیان اس طرح واقع ہونا کہ وہ آدھا اول مصرع میں اور آدھا دوسرے میں شامل ہو عربوں کے نزدیک صحیح ہے مگر شعرائے عجم اس کو جائز نہیں رکھتے غرضکہ ان تمام مذاہب میں امر مشترک (جس سے نفس کو التذاذ ہوتا ہے) وہ تخمینی موافقتِ الفاظ ہے نہ کہ حقیقی۔ دیکھو باوجودیکہ ہنود نے اپنے اشعار کے اوزان کی بنیاد حرفوں کی تعداد پر رکھی ہے اور ان کے یہاں حرکات و سکنات کا لحاظ اوزان میں نہیں کیا جاتا، مگر تاہم اُس سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴

يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

رحمت کی اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ اللہ برتر ہے اس سے جو وہ شریک بتاتے ہیں۔ بھلا کون ہے جو اوّل بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر بار بار ویسی ہی مخلوقات پیدا کرتا رہتا ہے اور کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ؟ تو کہہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو۔

لذت حاصل ہوتی ہے ہم نے بعض دیہاتیوں کے راگ سنے ہیں جن کو وہ حصولِ لذت کے لئے گاتے ہیں وہ ایک ایسا کلام ہے جس کے اجزا میں تخمینی موافقت ہوتی ہے یا ردیف ہوتی ہے جو کبھی ایک کلمہ اور کبھی زیادہ کلمات سے مرکب ہوتی ہے، وہ اُس کلام کو مثل قصائد کے گاتے اور اُس سے لطف حاصل کرتے ہیں غرضکہ ہر ایک قوم کا اپنی نظم کے متعلق ایک خاص قانون ہے علیٰ ہذالقیاس تمام اقوام دلکش آوازوں اور دلفریب نغمات سے لذت پانے میں متفق ہیں مگر گانے کے طریقہ اور اس کے قواعد میں وہ باہم اختلاف رکھتی ہیں۔ یونانیوں نے کچھ اوزان مقرر کئے ہیں جن کو وہ مقامات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ان مقامات سے آوازیں اور شعبے نکال کر انہوں نے ایک نہایت ہی مبسوط اور مفصل فن اپنے لئے منضبط کیا ہے اہلِ ہند نے چھ راگ بنائے اور اُن سے راگنیاں نکالی ہیں ہم نے اہلِ دیہات کو دیکھا ہے جو اِن دونوں اصطلاحوں سے بیگانہ ہیں۔ انہوں نے اپنے سلیقہ اور ذوق کے موافق ایک خاص ترکیب اور خاص تال ایجاد کرکے چند اوزان کلیّات کے انضباط اور جزئیات کے انحصار کئے بغیر مرتب کرلئے ہیں، جن سے وہ اپنی محفلوں کو گرماتے اور لذّت پاتے ہیں۔

پس جب ہم ان اختلافات کو دیکھتے اور غور و فکر سے کام لیتے ہیں تو امر مشترک بجز موافقتِ تخمینی کے اور کوئی شے نہیں نکل سکتی۔ عقل کی نظر صرف اُس اجمالی امر پر ہے اور تفصیل سے اس کو کوئی بحث نہیں۔ اور ذوقِ سلیم کی محبت فقط اُس خالص حلاوت کے ساتھ ہے اور بحر طویل اور مدید سے اُس کو غرض نہیں۔

خداوند جلّ و علیٰ شانہ نے جب اس مشتِ خاک (انسان) سے ہمکلام ہونا چاہا تو اُس نے اسی اجمالی حُسن کی رعایت فرمائی، نہ ان مصطلحہ قواعد کی جن کو ایک قوم پسند کرتی اور دوسری ناپسند کرتی ہے اور خداوند مالک الملک نے جب چاہا کہ آدمیوں کی روش پر کلام فرمائے تو اس نے صرف اُسی اصل بسیط کو اپنے کلام میں منضبط فرمایا

نہ ان قوانین کو جو کہ زمانہ اور مذاق کے بدل جانے پر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔
فی الحقیقت اصطلاحی قوانین کی پابندی عجز اور جہل کی دلیل ہے اور حسنِ اجمالی کی ایسی
پابندی کہ وہ کلام کی ہر حالت اور بیان کے ہر ایک نشیب و فراز میں جلوہ گر
رہے بغیر استعمالِ قواعد مصطلحہ کے بے شک اعجاز اور بشری حدِ اختیار سے خارج ہے۔ خداوند
تعالیٰ نے اسی طریقہ کا استعمال فرمایا ہے اُس سے ہم ایک قاعدہ کا استنباط کرتے ہیں اور وہ قاعدہ
یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اکثر سورتوں میں آواز کی کشش کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحرِ طویل و مدید وغیرہ
کا۔ اور فاصلوں میں سانس کا ٹھہرنا حرفِ مدہ پر یا جس پر مدہ ٹھہرے اُس کا اعتبار کیا ہے نہ کہ
فنِ قوافی کے قواعد کا۔ یہ کلیہ نہایت بسط چاہتا ہے تم کو اس میں سے تھوڑا بہت
سُن لینا چاہیئے:۔

نرخرے میں سانس کی آمد و رفت انسان کے لئے ایک جبلّی بات ہے۔ گو سانس
کی درازی اور کوتاہی ایک حد تک آدمی کے اختیار میں ہے لیکن اگر اُس کو اپنی طبیعت پر
چھوڑ دیا جائے تو اُس وقت اُس کا ایک خاص طول ہوگا سانس کے اول بار لینے میں
ایک نشاط و فرحت حاصل ہوتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ زائل ہونی شروع ہوتی ہے
حتیٰ کہ بالکل زائل ہو جاتی ہے اور دوسرے تازہ سانس لینے کی ضرورت پڑتی ہے
سانس کی یہ درازی مبہم حدود سے محدود اور ایک ایسی منتشر مقدار کے ساتھ معین ہے
کہ اگر دو تین کلموں یا اُس امتداد خاص کی تہائی یا چوتھائی مقدار کی کمی بیشی اُس مقدار
سے باہر نہیں کر دیتی اور اس میں اوتاد اور اسباب کی تعداد میں بھی فرق کی اجازت ہے،
اور نیز بعض ارکان کے تقدیم کی بھی گنجائش ہے پس سانس کے اسی امتداد کو خدا تعالیٰ
نے وزن قرار دیا اور اُس کی تین قسمیں کیں طویل اور متوسط اور قصیر طویل کی مثال سورہ
نساء اور متوسط کی مثال سورہ اعراف و انعام، اور قصیر کی مثال سورہ شعراء اور دخان
میں اور سانس کا اختتام ایسے حرف مدہ پر رکھا گیا ہے جس کا اعتماد کسی حرف پر ہو۔ یا ایک

وسیع قافیہ ہے جس کا طبیعت ادراک کرتی اور اسکی تکرار سے متلذذ ہوتی ہے اگرچہ وہ حرفِ مدہ کہیں الف اور کہیں واؤ اور کہیں ی ہوتا ہے اور گو وہ حرف اخیر کسی جگہ ی ہوتا ہے اور کہیں ج یا ق۔ اس قاعدہ کی رو سے یعلمون اور مومنین اور مستقیم باہم موافق ہیں اور خروج اور مریج اور تحید اور تبار وفواق وعجاب سب باقاعدہ علیٰ ہذا حرف الف کا آخر کلام میں آنا بھی ایک وسیع قافیہ ہے جس کا احاطہ پوری حلاوت بخشتا ہے اگرچہ حرفِ روی مختلف ہو۔ دیکھو حضرت حق تعالیٰ ایک جگہ کریما اور دوسری جگہ عدیتا اور تیسرے مقام پر بصیرا فرماتے ہیں اگر حرفِ روی کی موافقت کا التزام اس موقع پر کیا جائے تو گویا خود کو ایک غیر لازمی شے کا پابند بنانا ہے جیسا کہ سورۂ مریم اور سورۂ فرقان کی ابتدا میں واقع ہوا ہے۔ علیٰ ہذا آیات کا اتحاد ایک حرف پر مثلاً میم سورۂ قتال میں اور نون سورۂ رحمٰن میں حلاوت بخشتا ہے۔ علیٰ ہذا ایک مخصوص جملہ کو کلام کے درمیان میں بار بار لانا ہی لذت پیدا کرتا ہے جیسا کہ سورۂ شعراء سورۂ قمر اور سورہ رحمٰن ومرسلات میں واقع ہے۔ اور کبھی ذہن سامع کی نشاط اور اس کلام کے لطافت کی جانب اشارہ کرنے کے لئے سورتوں کے آخری فواصل اول سے مختلف کئے جاتے ہیں مثلاً اِدًا وھدًا سورۂ مریم کے آخر میں۔ اور سلاما وکراما سورۂ فرقان کے آخر میں اور وطین اور ساجدین وینظرون آخر سورۂ صاد میں واقع ہے حالانکہ ان تمام سورتوں کے شروع میں دوسری طرح کے فاصلے ہیں۔ اکثر سورتوں کے اندر اس وزن وقافیہ کی رعایت جس کو ہم بیان کر چکے ہیں مہتم بالشان سمجھے گئے ہیں۔ اور آیت کے آخر میں اگر کوئی لفظ قافیہ بننے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اُس کو قافیہ بنا دیا جاتا ہو ورنہ کسی ایسے جملہ سے اُس کا اتصال کر دیا جاتا ہے جس میں آلاء اللہ کا ذکر یا مخاطب کے لئے تنبیہ ہو۔ مثلاً فرماتے ہیں وہُوَ الحکیم الخبیر۔ وکَانَ اللہ علیماً حکیماً۔ وکان اللہ بما تعملون خبیراً۔ لعلکم تتقون۔ اِنّ فی ذلک لآیات لاولی الالباب

ان فی ذلک لآیات لقوم یتفکرون - اور ایسے ہی مقامات پر کہیں کہیں کسی قدر اطناب سے کام لیا گیا ہے مثلاً واسئل بہ خبیرا - اور کسی جگہ تقدیم و تاخیر بھی مستعمل ہوئی ہے اور کبھی قلب اور زیادتی مثلاً الیاسین وطور سینین بجائے الیاس وطور سینا کے۔

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ کلام کی روانی اور سہولت جو بوجہ ضرب المثل ہونے یا آیات مکرر مذکور ہونے سے حاصل ہوتی ہے کلامِ طویل کو مختصر کلام کے ہموزن بنا دیتی ہے اور بعض اوقات پہلے فقروں کو بعد کے فقروں سے کم لاتے ہیں تاکہ کلام اس کے سبب سے شیریں ہو جائے مثلاً خذوہ فغلوہ ثم الجحیم صلوہ ثم فی سلسلۃ ذرعہا سبعون ذراعا فاسلکوہ۔ ایسے کلام میں گویا متکلم کا دِلی مدعا یہ ہوتا ہے کہ پہلے اور دوسرے فقرہ کا مجموعہ تنہا تیسرے فقرہ کے برابر اور ہم پلہ ہے ایسے ہی کبھی آیت کے تین رکن ہوتے ہیں مثلاً یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ۔ فاما الذین اسودت وجوہہم الآیہ واما الذین ابیضت وجوہہم الآیہ - ایسی صورت میں رکن اول کو دوسرے رکن کیساتھ جمع کر کے ایک طویل آیت شمار کرتے ہیں۔ اور کبھی ایک آیت میں دو فاصلے لاتے ہیں۔ چنانچہ اشعار میں بھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔ بیت

کالزہر فی ترف والبدر فی شرف ✝ والبحر فی کرم والدہر فی ہمم

اور کبھی ایک آیت کو دوسری آیتوں سے زیادہ لمبی لاتے ہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جس وقت اس حسن کلام کا جو کہ وزن اور قافیہ سے پیدا ہوا ہے اُس حسنِ کلام سے موازنہ کریں جو ادا کی بیساختگی اور سادگی اور اس کی طبعی ترکیب اور عدم تغیر سے حاصل ہوا ہے تو فطرتِ سلیمہ حسن معنوی کو ترجیح دیگی تو ایسے مقامات میں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ ایک قسم کے حسن کے انتظار کو ترک کر کے دوسری قسم کے انتظار کا پورا حق ادا کیا گیا ہے

ہم نے شروع بحث میں یہ بات کہ اکثر سورتوں میں سنت اللہ جاری ہے، اِس واسطے کہی تھی کہ بعض سورتوں میں وزن اور قافیہ مذکورین کی رعایت نہیں معلوم

ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ کلام اللہ کا ایک حصہ خطباء کے خطبوں اور عقلائے نکتہ رس کے مراسلات کی طرح پر واقع ہے۔ عورتوں کا قصہ[1] جس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے ضرور سنا ہوگا اور اس کے قوافی بھی معلوم ہوں گے۔ اور قرآن شریف بعض مواقع میں اہلِ عرب کے مراسلات کی طرح بلا کسی امر کی رعایت کے واقع ہی جیسا کہ بعض لوگوں کی گفتگو آپس میں ہوتی ہی لیکن یہ ضرور ہے کہ ہر ایک کلام ایسی چیز پر ختم کیا گیا ہے جو ختم کرنے کے قابل تھا۔ اس جگہ یہ نکتہ ہے کہ لغتِ عرب میں رہاؤ ایسے موقع پر ہوتا ہے جہاں سانس ختم ہو جائے اور کلام میں نشاط باقی نہ رہے اور وقف کے لئے کلام کا حرفِ مدہ پر خاتمہ ہونا مستحسن ہے یہی وجہ ہے جس سے آیات کی موجودہ صورت بنی ہے۔ یہ وہ رموز ہیں جو اس فقیر کو القار ہوئے ہیں، واللہ اعلم۔

اگر کوئی پوچھے کہ پنجگانہ علوم کے مطالب کو قرآن شریف میں بار بار کیوں ذکر کیا گیا ہے۔ ایک ہی جگہ پر اکتفا کیوں نہیں کی گئی اس کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ ہم مخاطب کو جو کچھ سمجھانا چاہتے ہیں اس کے دو مرتبے ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارا مقصود یہ ہے کہ فقط اس کو ایک نامعلوم چیز کی خبر دیں۔ اس صورت خاص میں مخاطب کو یہ حکم پہلے سے معلوم نہ ہوگا اور اس وقت اس کا ذہن اس کے ادراک سے خالی ہوگا اسلئے ہمارا کلام سنتے ہی اس کو وہ مجہول شئے معلوم ہو جائے گی اور وہ انجان واقف ہو جائے گا۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ ہم کو کسی علم کی تصویر مخاطب کے دل میں اس طرح ذہن نشین کرنا ہے کہ اس سے مخاطب کو بیحد لذت حاصل ہو اور اس کے قلبی اور ادراکی قویٰ اس علم میں بالکل فنا و محو ہو جائیں اور اس علم کا رنگ اس کی تمام قوتوں پر غالب ہو جائے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک شعر جس کے معنی ہم کو معلوم نہیں ہم بار بار پڑھتے اور ہر بار لذت پاتے ہیں اور اس لذت کی خاطر اس کو مکرر سہ کرر پڑھنا ہم کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں بھی علوم پنجگانہ کی تعلیم میں دونوں مرتبوں کا لحاظ فرمایا گیا ہے۔ ناواقفوں

[1] یعنی حدیثِ امِ زرع ۱۲

کے لئے تعلیم مجہول کا طریقہ اختیار فرمایا۔ اور علماء کے نفوس کو اُن علوم کی تکرار سے رنگنا چاہا ہے۔ مگر اکثر مباحث احکام میں تکرار واقع نہیں ہوا اسلئے کہ وہاں دوسری قسم کا فائدہ مطلوب نہ تھا یہی وجہ ہے کہ شریعت میں قرآن کو بار بار تلاوت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور صرف سمجھ لینے پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ فرق صرف اس قدر کیا گیا ہے کہ اکثر حالتوں میں ان مسائل کا تکرار تازہ عبارت اور جدید اسلوب میں اختیار فرمایا کہ وہ نفس پر زیادہ مؤثر اور ذہن کے لئے زیادہ لذت بخش ہو۔ اگر ایک ہی لفظ کا تکرار کیا جاتا تو یہ تکرار مثل وظیفہ کے ہو جاتی۔ لیکن اختلافِ تعبیرات اور تغیرِ اسلوب بیان کی صورت میں ذہن کو اُس میں پورا خوض کرنیکا شوق ہوتا، اور ذہن مخاطب میں وہ مضمون بالکل اُتر جاتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ان علوم پنجگانہ کو قرآن مجید میں کیوں منتشر کیا گیا اور کسی خاص ترتیب کی رعایت نہیں فرمائی۔ مثلاً ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ اول آلاء اللہ کو ذکر کرکے اس کا بیان پورا فرماتے بعد ازاں ایام اللہ کی بحث پوری ذکر کرتے اور اس کے بعد علم مخاصمہ کی تفصیل ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ خدا تعالیٰ کی قدرت تمام ممکنات کو شامل ہے لیکن اس قسم کے امور کا دارو مدار حکمت اور مصلحت پر ہے اور وہ حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ قرآن مجید میں مبعوث الیہم یعنی عربوں کی زبان اور ان کے اسلوبِ بیان کیساتھ موافقت کی گئی ہے اور آیت أأعجمی وعربی میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اہل عرب کے پاس قرآن شریف کے نازل ہونے تک کوئی کتاب نہ آسمانی نہ انسان کی مرتب کی ہوئی موجود تھی اور جو ترتیب الابواب و فصول مصنفین نے اب اختراع کی ہے عرب اس سے ناواقف تھے اگر اس امر کا یقین نہ ہو تو مخضرمین کے قصائد کو بغور دیکھ لو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مراسلات اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مکتوبات کو مطالعہ کرو تاکہ یہ مسئلہ اُن کے ذریعے سے تم پر منکشف ہو جائے۔

پس اگر قرآن شریف کی زبان ان کے اسلوب کے خلاف ہوتی تو وہ متحیر رہ جاتے۔
اور ایسے کلام کے سننے سے جس سے ان کے کان آشنا نہ تھے ان کی عقلیں پریشان ہو جاتیں
علاوہ ازیں مقصودِ باری فقط یہ نہیں کہ علم ہو جائے بلکہ یہ مقصود ہی کہ علم استحضار اور پختگی
کیساتھ ہو اور یہ مقصود غیر مرتب سے زیادہ قوت اور کمال کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ شعراء کا وزن وقافیہ جو زیادہ لذیذ معلوم ہوتا ہے اسکو کیوں
اختیار نہیں کیا گیا جواب یہ ہے کہ لذت کی زیادتی ہر قوم اور ہر ذہن و مذاق کی اعتبار سے
مختلف ہے۔ اور اگر یہ بھی مان لیا جائے (کہ شعراء کا وزن لذیذ تر ہی) تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے باوجودیکہ آپ اُمّی تھے ایک عدیم المثال وزن
وقافیہ کی ایجاد آپ کی نبوّت کا کھلا ہوا نشان ہے کیوں کہ اگر شعراء کے وزن اور قافیہ
میں قرآن مجید نازل کیا جاتا تو کفار بھی خیال کرتے کہ یہ تو ایسے ہی اشعار ہیں جو کہ عرب
میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کو کسی شمار و قطار میں نہ رکھتے۔ نظم و نثر کے بلغاء
بھی اگر اپنے ہمعصر فضلاء میں اپنے آپکو نمایاں اور ممتاز کسی ظاہر دلیل کیساتھ ثابت کرنا
چاہتے ہیں تو وہ بھی کوئی تازہ زمین یا جدید اسلوب اختراع کرتے اور کہتے ہیں کہ کوئی
ہے کہ ایسی غزل اس زمین میں یا کوئی مراسلہ اس اسلوب میں لکھ سکے۔ اگر یہ لوگ
اسی پرانی طرزِ انشاء میں طبع آزمائی کریں تو اس سے ان کے اعلیٰ کمال کا ادراک محققین کے
سوا عام طور پر نہیں ہو سکتا۔

اگر پوچھا جائے کہ قرآن مجید کا اعجاز کس وجہ کے اعتبار سے ہے؟ اس کا جواب
یہ ہے کہ ہمارے نزدیک ثابت ہے کہ اعجاز قرآن کے بہت سے وجوہ ہیں جن میں سے
بعض بیان کئے جاتے ہیں۔ اول اسلوبِ بدیع۔ کیوں کہ عربوں کے پاس بلاغت
کے چند میدان تھے جن میں وہ اپنی فصاحت کے گھوڑوں کو بگٹٹ دوڑاتے اور ہمعصروں
سے بڑھنے کی سعی کرتے تھے۔ وہ میدان قصائد، اور خطبے، اور رسائل

اور محاورات ہیں۔ عرب لوگ ان چار اسلوب کے علاوہ اور کچھ نہ جانتے تھے، اور نہ کسی پانچویں اسلوب کے اختراع پر قادر تھے۔ بدیں وجہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر حالانکہ آپ اُمّی تھے ایک خاص اور ممتاز اسلوب کی ایجاد جو کہ ان کے مروجہ اسالیب کے علاوہ ہے بیشک اعجاز ہوگا۔ دوم گذشتہ تواریخ اور امم سابقہ کے احکام کا بغیر پڑھے لکھے ایسی تفصیل بیان کرنا جو کتب سابقہ کی مصدق ہو۔ سوم پیشینگوئیاں اور پیشین گوئیوں میں سے جو واقعہ ظہور پذیر ہوگا اعجاز تازہ ہوگا۔ چہارم بلاغت کا وہ مرتبہ جو کہ انسانی طاقت سے بالاتر ہو۔ ہم لوگ چونکہ عرب اول کے بعد میں پیدا ہوئے ہیں اسلئے مرتبہ بلاغت کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتے لیکن اتنا ضرور جانتے ہیں کہ شیریں کلمات اور چست بندشوں کا استعمال جس لطافت اور سادگی اور بے تکلفی کیساتھ جیساکہ ہم قرآن شریف میں پاتے ہیں اس قدر متقدمین اور متاخرین کے کسی قصیدہ میں نہیں پاتے اور یہ ایک وجدانی بات ہے جس کو ماہر شعراء ہی جان سکتے ہیں، عوام اس میں کچھ حصہ نہیں لے سکتے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ علم تذکیر اور مخاصمہ جہاں ہیں معانی کو الفاظ کا دوسرا لباس سورۃ کے اسلوب خاص کے موافق پہناتے ہیں اس میں ایک عجیب کیفیت اور ندرت ہوتی ہے کہ ہماری عقول کا دستِ حرص اس کے ادراک کے دامن تک نہیں پہنچ سکتا۔

اگر کوئی ہمارے بیان بالا کو نہ سمجھا ہو تو اس کو چاہیے کہ انبیاء کے ان قصوں میں جو کہ سورۂ اعراف و ہود و شعراء میں واقع ہیں اول تامل کرے اور پھر انہیں قصوں کو سورۂ صافات میں اور بعد ازاں ذاریات میں دیکھے تاکہ باہمی فرقِ اسلوب منکشف ہو جائے علیٰ ہذا گناہگاروں کے عذاب اور فرمانبرداروں کے ثواب کو ہر موقع پر ایک خاص رنگ دیا جاتا ہے اور دوزخیوں کے جھگڑوں کا جلوہ ہر جگہ نرالی صورت میں دکھایا جاتا ہے، تفصیل اس کی بہت طویل ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ مقتضائے حال اور استعارات وکنایات کی رعایت جن کی تفصیل علم معانی و بیان میں ہے اور اس کے ساتھ مخاطبین کی

حالت کی رعایت جوکہ محض اَن پڑھ اور اُن فنون سے نا آشنا تھے جس قدر قرآن مجید میں موجود ہے اُس سے بہتر مافوق متصور نہیں ہو سکتی کیوں کہ یہاں مقصود یہ ہے کہ مشہور مخاطبات میں جن سے سب آدمی واقف ہیں چند عام فہم اور خواص پسند نکات ودیعت رکھی جائیں یہ بات اجتماعِ نقیضین کی نظیر ہے ؎

زپائے تا بسرش ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

منجملہ وجوہ اعجاز کے ایک وجہ ایسی ہے جس کو سوائے اُن لوگوں کے جو اسرار شریعت میں تدبر اور تفکر کرتے ہیں کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ علوم پنجگانہ ہدایتِ انسانی کی رُو سے خود قرآن شریف کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ کوئی طبیب حاذق کسی ایسی طب کی کتاب کو دیکھے جس میں امراض کے اسباب و علامات اور ادویہ کے خواص کی تحقیقات نہایت اعلیٰ پیمانہ پر کی گئی ہو تو اس بات میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کہ اُس کا مؤلف فنِ طب میں نہایت کامل ہے۔ ایسے ہی اسرار شرائع کا عالم خوب واقف ہے کہ تہذیبِ نفس کے لئے کیا کیا چیزیں انسان کو تعلیم کی جا سکتی ہیں۔ اسکے بعد اگر علوم پنجگانہ میں وہ غور کریگا تو اس کو بغیر کسی قسم کے شک کے معلوم ہو جائے گا کہ یہ علوم اپنے معانی کے اعتبار سے اُس اعلیٰ مرتبہ پر واقع ہوئے ہیں جن پر اضافہ قطعًا محال ہے ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ☙ گر دلیلت باید از وے رو متاب

باب چہارم

—: فنونِ تفسیر اور صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم کے اختلاف فی التفسیر کے حل میں :—

جاننا چاہیئے کہ مفسرین کی جماعتیں مختلف ہیں۔ ایک جماعت صرف اُن آثار

کی روایت پر کربستہ ہے جو آیات سے مناسبت رکھتی ہوں خواہ احادیث مرفوعہ ہوں یا موقوفہ یا کسی تابعی کا قول ہو یا اسرائیلی روایت، یہ طریقہ محدثین کا ہے اور ایک گروہ اسماء وصفات کی آیات میں تاویل کرتا ہے کہ اُن میں سے جس آیت کو مذہب تنزیہہ حق جل و علی شانہ کے موافق نہیں خیال کرتے اس کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہی گروہ مخالفین کے ایسے اعتراضات کو جو کہ بعض آیات پر وہ کرتے ہیں رد کرتا ہے۔ یہ شان متکلمین کی ہے اور ایک قوم مسائل فقہیہ کا استنباط کرتی اور بعض مجتہدات کو بعض پر ترجیح دیتی ہے اور مخالف دلیل کا جواب دیتی ہے۔ یہ فقہا اور اہلِ اصول کی روش ہے اور ایک جماعت قرآن مجید کے لغات کی تشریح کرتی ہے اور ہر محاورہ کے باب میں کلام عرب کی نہایت کثرت کیساتھ سندیں پیش کرتی ہے یہ نحویین اور اہلِ لُغت کی وضع ہے۔ اور ایک گروہ علم معانی اور علم بیان کے نکات کو تمام تر بیان کرتا ہے اور کلام اللہ کی داد ان علوم کے اعتبار سے دیتا ہے یہ ادیبوں کا آئین ہے۔ اور بعض لوگ قرآن مجید کی اُن قراءتوں کو جو ائمہ سے مسلسل منقول چلی آرہی ہیں نہایت ایضاح و تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، یہ قراء کی حالت ہے اور کچھ آدمی علم سلوک یا حقائق کے نکات کو ادنیٰ مناسبت سے بیان کرتے ہیں، یہ صوفیوں کی روش ہے الحاصل تفسیر کا میدان نہایت وسیع ہے اور اُس میں چلنے والے ہر مسلمان کا قصد اُس کے معانی سمجھنے کا ہے، اور ہر ایک نے ایک خاص فن میں غور و خوض کیا اور اپنی قوتِ فصاحت اور سخن فہمی کے مطابق بیان کیا ہے اور اپنی جماعت کے افراد کے مذہب کو منظور نظر رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے جس سے فنِ تفسیر نے ایسی وسعت بے پایاں حاصل کی جس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نیز اسی وجہ سے تفسیر میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن کا شمار ممکن نہیں۔ مفسرین کے ایک گروہ کا خیال ان تمام علوم کے یکجا کرنے کا بھی ہوا ہے۔ اور کبھی عربی میں اور کبھی فارسی میں کتابیں لکھیں اور انکے

طول واختصار میں بھی فرق ہے جس نے علم کے دامن کو اور بھی وسیع کردیا ہے۔ اس فقیر کو الحمدللہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک معقول مقدار اُس کے فروع کی معلوم ہے اور اُس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق واستقلال حاصل ہوگیا ہے۔ انکے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیضِ الٰہی کے ناپیداکنار دریا سے القاء ہوئے ہیں۔ اگر سچ پوچھنا ہے تو میں قرآن مجید کا بلاواسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روحِ پُرفتوح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اُویسی ہوں اسیطرح کعبہ حسنیٰ سے بےپایہ مستفید اور صلوٰۃ عظمیٰ سے اثر پذیر ہوں۔ شعر

ولو ان لی فی کل منبت شعرۃ لسانا

لما استوفیت واجب حمدہ

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم میں سے دو دو تین تین حرف رسالہ ہذا میں لکھے جائیں

فصل

اُن آثار کے بیان میں جو کتبِ تفسیر اہل حدیث میں مروی ہیں اور اُس کے متعلقات کتب تفسیر میں مذکور آثار میں سے بعض آثار اسبابِ نزول کے بیان کے متعلق ہوتے ہیں۔ سببِ نزول کی دو قسم ہیں ایک قسم یہ کہ کوئی ایسا حادثہ ہوا جس میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے نفاق کی جانچ ہو گئی۔ چنانچہ اُحد احزاب میں ایسا ہوا اور خدا تعالیٰ نے مومنوں کی مدح اور منافقین کی مذمت نازل فرمائی تاکہ ان دونوں گروہوں میں امتیاز ہو جائے۔ اور اس مدح و ذم میں اس خاص حادثہ کی جانب تعریضات بکثرت مذکور ہوئی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ پہلے اس واقعہ کی مختصر تاریخ لکھدی جائے تاکہ اُن آیات کا سیاق پڑھنے والے کو

منکشف ہو جائے، دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کے معنی اُس حادثہ کے معلوم کئے بغیر ہی جو کہ سببِ نزول ہوا ہے اپنے عموم کے اعتبار سے مستقل ہیں اور اُس میں حکم عموم لفظ کا معتبر ہے نہ کہ خصوصِ سببِ نزول کا، مگر متقدمین مفسرین نے یہ ارادہ کر کے کہ اس آیت کے مناسب احادیث کو جمع کر دیا جائے یا کتاب کے مفہوم و حکم عام کا کوئی مصداق ذکر کیا جائے اس قصہ (سببِ نزول) کو ذکر کیا ہے، اس قسم کے قصوں کا ذکر کرنا چنداں ضروری نہیں ہے، اس فقیر کے نزدیک یہ محقق ہوا ہے کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اکثر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فلاں فلاں حادثہ میں نازل ہوئی۔ مگر اُن کا مقصود صرف آیت کے افراد و مصداق کی تصویر اور بعض ایسے مخصوص حادثات کا ذکر مقصود ہوتا ہے جن کو آیت اپنے عموم حکم کی وجہ سے شامل ہو، اس سے عام ہے کہ وہ واقعہ جس کو انہوں نے سببِ نزول کہا ہے نزولِ آیت سے مقدم ہو یا مؤخر، اسرائیلی ہو یا جاہلی یا اسلامی۔ آیت کے تمام قیود کو حاوی ہو یا بعض کو، واللہ اعلم۔

ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ اجتہاد کو بھی اس سببِ نزول میں کچھ دخل ہے۔ اور اسبابِ نزول میں متعدد قصّوں کے ذکر کرنے کی گنجائش ہے۔ جس شخص کو یہ نکتہ محفوظ ہو تو ظاہر ہے کہ مختلف اسبابِ نزول کا حل ادنیٰ تأمل اور تھوڑی توجہ سے کر سکتا ہے۔

اور بعض اُن میں سے یہ ہے کہ کبھی ایسے قصے کی تفصیل کی جائے جس کی طرف نظم آیت میں کوئی اشارہ موجود ہے، اس صورت میں مفسرین رحمہم اللہ کا قصد یہ ہوتا ہے کہ اخبارِ بنی اسرائیل یا سیر و تواریخ سے اُس قصہ کو مع اس کی جملہ خصوصیات کے ذکر کریں۔ اس موقع پر ایک اور بھی تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی قصہ ایسا ہو جس کی طرف آیت کے ظاہر الفاظ میں ایسا اشارہ ہے کہ زبان کا جاننے والا اُس پر آ کر رُک جاتا اور اس کی تلاش کرنے لگتا ہے تو ایسے واقعات کا بیان کرنا مفسر کا فرض ہے اور جو قصہ اس قسم سے خارج ہو مثلاً بنی اسرائیل کی گائے کا حال کہ نر تھی یا مادہ یا اصحابِ کہف کے کتے

کی زنجیں کہ وہ چپلا تھا یا سرخ یہ امور بے فائدہ تکلفات ہیں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ ایسی بحثوں کو مکروہ جانتے اور ضیع اوقات خیال فرماتے تھے۔ یہاں پر دو نکتے یاد رکھنے کے قابل ہیں اول یہ کہ واقعات کی نقل میں قاعدہ یہ ہے کہ ان کو جیسا سنا ہی بغیر عقلی تصرف کے بیان کیا جائے۔ مگر متقدمین مفسرین کی ایک جماعت اس تعریض کو اپنا پیشوا بناتی اور اس کا کوئی مناسب محل فرض کرکے برنگ احتمال اس کی تقریر کرتی ہے جس کی وجہ سے متاخرین کو اشتباہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس وقت تقریر کے اسلوب زمانہ حال کے موافق منقح نہیں ہوئے تھے۔ اکثر ایسا ہونا ممکن ہے کہ تقریر علی سبیل الاحتمال تقریر بالجزم کیساتھ مشتبہ ہو جائے یا ایک کو دوسری جگہ اختیار کر لیا جائے اور یہ مسئلہ اجتہادی ہے عقل لگانے کی اس میں گنجائش اور قیل وقال کا وسیع میدان ہے اگر کوئی اس نکتہ کو یاد رکھے تو وہ بہت مقامات پر مفسرین کے اختلافات کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اور نیز بیشتر مناظرات صحابہ کے متعلق معلوم کر سکتا ہے کہ وہ ان کا مذہب نہیں ہے ایک علمی تفتیش ہے جس کو بعض مجتہدین دوسرے مجتہدین سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو آیت فامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین میں فقیر اسی پر محمول کرتا ہے جو یہ ہے "لَا اَجِدُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ اِلَّا الْمَسْحَ لٰکِنَّہُمْ اَبَوْا اِلَّا الْغَسْلَ" (مجھ کو تو کلام اللہ میں پیروں کا مسح ہی ملتا ہے مگر لوگ اس سے دھونا ہی سمجھتے ہیں) قول ابن عباسؓ کا مطلب فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ یہاں پر وہ مسح کی فرضیت کی طرف نہیں گئے کہ وہ آیت کو مسح کی رکنیت پر حمل کرنے کا یقین رکھتے ہوں۔ حضرت ابن عباسؓ کا مذہب بھی وضو میں پیر دھونے کا ہی ہے۔ لیکن یہاں وہ ایک اشکال کو بیان اور ایک احتمال کی تقریر کرتے ہیں تاکہ دیکھیں علماء زمانہ اس تعارض کی تطبیق میں کونسی راہ اختیار کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ سلف کے روزمرہ سے واقفیت نہیں رکھتے انہوں نے اس کو ابن عباسؓ کا قول سمجھ کر ان کا مذہب قرار دے لیا حاشا و کلا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہماری ذہن میں داخل ہوگئی ہے حالانکہ قاعدہ یہ ہے کہ اُن کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب۔ اس قاعدہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ جب تک تعریضِ کلام اللہ کا بیان حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دستیاب ہو سکے تو بنی اسرائیل سے نقل نہ کرنا چاہیئے۔ ولقد فتنا سلیمان والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب کا محمل جب کہ حدیث نبوی میں "انشاء اللہ" کے ترک کرنے اور اس پر مؤاخذہ ہونیکا قصہ پایا جاتا ہے تو کیا ضرورت ہی جو صخرہ کا قصہ ذکر کیا جائے۔ دوسرے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ضروری امر اپنی حدِ ضرورت تک ہی محدود رہتا ہے اس لئے اقتضائے تعریض کی مقدار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیان کرنا چاہیئے تاکہ اس کی تصدیق ہم قرآنی شہادت سے کر سکیں اور اس سے زیادہ بیان سے زبان کو روکنا چاہیئے یہاں پر ایک نہایت لطیف نکتہ بھی ہے اس کو ضرور سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں کسی مقام پر ایک قصہ کو مجملاً بیان کیا جاتا ہے اور کسی جگہ مفصلاً جیسا کہ اول یہ فرمایا قال انی اعلم مالا تعلمون۔ اور پھر فرمایا الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون۔ یہ بیان دراصل وہی سابق بیان ایک قسم کی تفصیل کیساتھ ہے اس لئے اس تفصیل سے اجمالِ سابق کی تفسیر کر سکتے ہیں اور اس اجمال سے تفصیل کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ مثلاً سورۂ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ مجملاً ذکر فرمایا گیا (ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا) اور آل عمران میں مفصل طور پر (ورسولا الی بنی اسرائیل انی قد جئتکم الآیہ) اس مقولہ میں تفصیلی بشارت ہے۔ اور پہلا بیان بشارتِ اجمالی۔ اسلئے بندۂ ضعیف نے اس آیت کے یہ معنی لئے ہیں کہ (رسولا الی بنی اسرائیل مخبرا بانی قد جئتکم) اور یہ تمام مضمون بشارت کے ذیل میں داخل ہے کسی محذوف کے متعلق نہیں جیسے علامہ سیوطی نے اس طرف عبارت ذیل میں اشارہ کیا ہے فلما بعثہ اللہ قال انی رسول اللہ الیکم بانی قد جئتکم۔ واللہ اعلم۔

اور اس میں ایک شرح غریب ہے جس کی بنا یا تو لغتِ عرب کے تتبع پر ہی اور یا آیت کے سیاق وسباق فہم اور لفظ کی اُس مناسبت کے علم پر ہی جو کہ اُس کو اپنے جملہ کے اجزا کیساتھ حاصل ہے اس لئے اس مقام پر بھی عقل کا دخل اور اختلاف کی گنجائش ہے کیونکہ ایک کلمہ زبان عرب میں متفرق معانی کے لئے آتا ہے اور استعمالات عرب کے تتبع اور سابق ولاحق کی مناسبت کے فہم میں عقول مختلف ہوتی ہیں یہی وجہ ہی جس سے صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال باہم مختلف ہو گئے ہیں۔ ایک منصف مفسر کو شرح غریب کے دو پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے۔ ایک استعمالِ عرب پر کہ اس کے اعتبار سے کونسی صورت اقویٰ ہے اور دوسرے لاحق وسابق کی مناسبت پر کہ کونسی جہت راجح ہی فقیر نے اصول موضوعہ تفسیر کے انضباط اور مقامات استعمال کی چھان بین اور احادیث کی پوری دیکھ بھال کے بعد شرح غریب کے متعلق ایسے تازہ استنباط کئے ہیں جن کا لطف بجز بے انصاف اور نافہم کے کسی پر مخفی نہیں رہ سکتا۔ مثلاً کُتب علیکم القصاص فی القتلیٰ۔ کو قصاص اور قتلیٰ کے معنی اور ایک دوسرے کے حکم میں

[1] جمہور ائمہ اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قصاص بمعنی قود اور قتلیٰ بمعنی قاتلین ومقتولین ہیں۔ قاتلوں کو باعتبار مآل کے مقتولین میں شامل کر لیا گیا ہی۔ اس صورت میں الانثیٰ بالانثیٰ کی توجیہ خالی از دقت نہ تھی مگر شاہ صاحب نے جو توجیہ اس آیت کی فرمائی وہ نہایت لطیف اور بالکل نئی ہی۔ ان کے نزدیک قصاص کے معنی برابری اور مماثلت قود اور دیت اور جراحات میں اور قتلیٰ کے معنی محض مقتولین کے ہیں قاتل ان کے ساتھ شریک نہیں۔ اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم پر فرض کیا گیا ہی کہ مقتولوں کے بارے میں مماثلت اور برابری کا اعتبار کرو اس طرح پر کہ مقتولین گروہوں میں تقسیم کئے جائیں باعتبار آزادی اور غلامی اور مذکر اور مؤنث ہونے کے اور ہر گروہ کا ہر ایک فرد دوسرے فرد کے برابر ہو اور ان میں اوصاف خاصہ مثلاً بڑائی چھٹائی امیری غریبی شرافت اور رذالت کا اعتبار نہ ہوگا پس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہر حُر برابر ہے دوسرے حُر کے اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ عبد حُر کے برابر نہیں ہے قود میں جمہور کا یہی مذہب ہے اور دیات وجراحات میں متفق علیہ اور ہر انثیٰ برابر ہی دوسری انثیٰ کے۔ اس کا مفہوم یہ نکلا کہ عورت مرد کے برابر نہیں۔ دیات میں تمام علماء کا اور جراحات میں ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔

شرکت پر حمل کیا جائے تاکہ الانثیٰ بالانثیٰ کے معنی سمجھنے میں نسخ کا قائل اور ایسی توجیہات کا مرتکب نہ ہونا پڑے جو ادنیٰ تامل سے ساقط ہو جاتے ہوں اور مثلاً یسئلونک عن الاہلہ کو یسئلونک عن الاشہر کے معنی پر حمل کیا جائے۔ یعنی سوال اشہر حج کی نسبت کیا گیا تھا جس کا جواب ہی مواقیت للناس والحج دیا گیا۔ اور مثلاً ہوالذی اخرج الذین کفروا من اہل الکتاب من دیارہم لاول الحشر کے معنی لاول جمع الجنود اس لئے کئے جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وابعث فی المدائن حاشرین اور وحشر لسلیمان جنودہ یہ معنی قصہ بنی نضیر کے ساتھ دیکھنے سے زیادہ چسپاں معلوم ہوتے ہیں۔ اور بیانِ احسان میں اقویٰ ہیں۔

بعض اُن میں سے بیان ناسخ و منسوخ ہے۔ اس مقام پر دو نکتے یاد کرنے کے قابل ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم نسخ کا استعمال اصولیوں کی اصطلاح کے علاوہ دوسرے ایسے معنی پر فرماتے تھے جو کہ لغوی معنی (یعنی ازالہ) کے قریب تر ہے۔ بدیں وجہ اُن کے نزدیک نسخ کے معنی یہ ہوئے کہ پہلی آیت کے بعض اوصاف کا ازالہ بعد کی آیت سے عام ہے کہ وہ انتہائے عمل ہو۔ یا معنی متبادر کا غیر متبادر کی جانب کلام کا انصراف یا کسی قید کے زائد ہونے کا بیان ہو۔ یا عام کی تخصیص یا اس امر کا اظہار ہو کہ نصوص اور اس میں جو کہ اُسپر ظاہر آیا س کر لیا گیا ہے بہت فرق ہے وغیرہ وغیرہ یہ ایک وسیع بحث ہے جس میں عقل کے لئے میدان اور اختلاف کو پوری گنجائش ہے۔ اس لئے اِن حضرات نے آیات منسوخہ کی تعداد پانچسو تک بڑھادی ہے۔ دوسرا یہ کہ اصطلاحی نسخ کے بیان میں اصل یہ ہے کہ نزولِ آیات کا زمانہ معلوم ہو مگر کبھی سلف صالح کے اجماع یا جمہور کے اتفاق کو علامتِ نسخ قائم کر کے اُس کے قائل ہو جاتے ہیں۔ بہت سے فقہاء اس بات کے مرتکب ہوئے ہیں حالانکہ ممکن ہے کہ مصداقِ آیت مصداقِ اجماع کے مخالف ہو۔ الحاصل وہ آثار جو نسخ بتاتے ہیں بہت مشتبہ ہیں۔

اوران میں معاملہ کی تہہ کو پہنچنا سخت دشوار ہے۔ اور محدثین کے پاس ان اقسام کے علاوہ اور چیزیں بھی ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں مثلاً صحابہ رضی اللہ عنہم کا مناظرہ کسی مسئلہ میں اور اس میں ایک خاص آیت کا استشہاد، یا ان کی تمثیل کسی آیت کے ذکر سے یا تلاوت فرمانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا استشہاد کے طور پر اور کسی ایسی حدیث کی روایت جو آیت کے اصل معنی میں موافق ہو۔ یا تلفظ کا وہ طریقہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہو۔

فصل دوم

اس باب کے باقی لطائف کے بیان میں

منجملہ لطائف کے ایک مسائل کا استنباط ہے۔ استنباطِ مسائل کا باب نہایت درجہ وسیع ہے اور آیات کے فحویٰ اور ایما اور اقتضاآت علم میں عقل کے لئے میدان وسیع اور اختلاف کی پوری گنجائش حاصل ہے۔ اُن استنباطات کا حصر دس اقسام میں اور اُن کی ترتیب اس فقیر کے قلب پر القا کی گئی ہے جو کہ بہت سے احکام مستنبطہ کی جانچ پڑتال کے لئے نہایت سچا ترازو ہے اور منجملہ اُن کے ایک توجیہ ہے اور توجیہ ایک ایسا فن ہے جس میں بکثرت شاخیں ہیں اور جس کو شارحین متون کی شرح میں استعمال کرتے ہیں اور اُس میں اُن کی ذکاوت اور جودت ذہن کا امتحان ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے حالانکہ اُن کے زمانہ میں قوانینِ توجیہ کی تنقیح ہونے پائی تھی قرآن مجید کی توجیہ بکثرت فرمائی ہے۔ توجیہ کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اگر مصنف کے کلام میں شارح کو کوئی ایسی دشواری نظر آئے تو وہ اس پر رُک جائے اُس صعوبت کو حل کر دے۔ اور چونکہ کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہن یکساں نہیں ہوتے اس لئے توجیہ کے

مراتب بھی یکساں نہیں ہیں مبتدیوں کے لئے توجیہہ اور ہے اور منتہیوں کیلئے اور بسا اوقات کوئی صعوبت منتہی کی سمجھ میں ایسی آتی ہے کہ وہ اُس کے حل کا محتاج ہوتا ہے اور مبتدی اُس سے غافل ہوتا ہے بلکہ وہ اُس کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتی۔ اور میدان کلام مبتدی پر دشوار ہوتا ہے نہ کہ منتہی پر۔ مگر چونکہ شارح کا مقصود اذہان کے تمام انواع کا احاطہ ہوتا ہے اسلئے عام پڑھنے والوں کے حال کو اختیار کرتا اور اُن کی سمجھ کے موافق کلام کرتا ہے اس لئے آیات مخاصمہ میں عمدہ توجیہہ اُن فرقوں کے مذاہب کا بیان اور وجہ الزام کی تنقیح ہے۔ اور آیات احکام میں صورت مسئلہ کی تصویر کھینچنا۔ اور قیود کے فوائد احتراز وغیرہ کو بیان کرنا ہے۔ اور آیات تذکیر بآلاء اللہ میں نعمات الٰہیہ کی تصویر اور ان کے خاص خاص مواضع کا بیان ہے۔ اور آیات تذکیر بایام اللہ میں قصوں کی باہمی ترتیب اور اُس تعریض کی توضیح کرنا جو کہ قصہ میں مذکور ہوتی ہے اور موت اور مابعد موت کی تذکیر میں اُس وقت کی تصویر اور اُس وقت کے حالات کا بیان ہے۔ فنون توجیہہ میں یہ بھی داخل ہے کہ جو امر نامانوس ہونے کی وجہ سے بعید الفہم ہے اُسکو قریب الفہم کیا جائے اور نیز دو دلیلوں یا دو تعریفوں یا معقول و منقول کے درمیان سے تعارض اٹھایا جائے۔ اور دو مشتبہ چیزوں میں فرق اور دو مختلف باتوں میں تطبیق دی جائے اور آیت میں جس وعدہ کی جانب اشارہ ہے اُس کی صداقت کا اظہار کیا جائے اور جو امر قرآن شریف میں ہوا ہے اُس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی کیفیت کا بیان ہو۔ الحاصل صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں توجیہہ کا حصہ بہت ہے۔ اور ایسے مقام صعب کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اول اُس کی دشواری کی وجہ کو تفصیلاً نہ بیان کیا جائے۔ اور اُس کے بعد اُس دشواری کے حل کو مفصل لکھا جائے۔ اور پھر اُن اقوال کی باہمی جانچ کی جائے اور متشابہات کی تاویل، صفات باری تعالیٰ کی حقیقت کے بیان کرنے میں متکلمین جس قدر مبالغہ کرتے ہیں وہ میرا مذہب نہیں ہے۔

میرا مذہب وہ ہے جو امام مالک امام ثوری اور ابن مبارک اور تمام قدماء کا مذہب ہے یہ امر ظاہر متشابہات میں داخل ہے اور اُس کی تاویل میں مبالغہ و خوض کرنا متروک، اور احکام مستنبط میں نزاع، اور اپنے اپنے مذہب کا استحکام اور دوسرے مذہب کا ابطال، اور قرآن مجید کے دلائل کے دفع کرنے میں حیلہ سازی یہ تمام باتیں میرے نزدیک صحیح نہیں ہیں، مجھے خوف ہے کہ یہ تدارء بالقرآن کے قبیل سے نہو۔ عالم کو چاہئے کہ وہ آیات کے مفہوم کو تلاش کرے اور اُسی کو اپنا مذہب قرار دے۔ خواہ وہ اُس کے مذہب سابق کے موافق ہو یا مخالف لیکن لغتِ قرآنی کو عرب اول کے استعمالات سے لینا چاہئے اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار پر کلی اعتماد کرنا چاہئے۔ قرآن شریف کے نحو میں ایک عجیب فساد پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک جماعت مفسرین نے مذہبِ سیبویہ اختیار کیا ہے اس لئے کلام اللہ میں جو استعمال انکو اُسکے مذہب کے خلاف ملتا ہے اس کی تاویل کرتے ہیں خواہ تاویل بعید ہی کیوں نہ ہو۔ یہ بات میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ عالم کو چاہئے کہ وہ اُس امر کا اتباع کرے جو سیاق و سباق کے موافق اور زیادہ قوی ہو خواہ سیبویہ کا مذہب ہو یا فراء کا۔ اور والمقیمین الصلوٰۃ والمؤتون الزکوٰۃ کی امثال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ستقیمہا العرب بالسنتہا۔ فقیر کے نزدیک کلمہ ہذا کی یہ تحقیق ہے کہ مشہور محاورہ کے مخالف محاورہ بھی محاورہ ہی ہوتا ہے۔ اور عرب اول اپنے خطبات میں بکثرت ایسے محاورات استعمال کرتے تھے جو کہ مشہور قواعد کے مخالف ہوتے تھے۔ اور چونکہ کلام اللہ عرب اول کی زبان میں نازل ہوا اس لئے اگر کسی جگہ واؤ کی جگہ یا اور تثنیہ کی جگہ مفرد اور مذکر کی جگہ مؤنث آجائے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں اس لئے جو بات محقق ہے وہ یہ ہے کہ ترجمہ والمقیمین الصلوٰۃ حالتِ رفعی کے اعتبار سے کیا جائے۔ واللہ اعلم۔

علم معانی و بیان ایک ایسا علم ہے جو کہ حضرات صحابہ اور تابعین رضوان اللہ

علیہم اجمعین کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہے' بدیں وجہ اس کے جو مسائل جمہور عرب کے
عرف کے موافق سمجھ میں آئیں علی الراس والعین - اور جو ایسے دقیق امور ہیں کہ ان فنون میں
گہری معلومات رکھنے والے کے سوا اور کسی کی سمجھ میں نہیں آتے اُن کی نسبت ہم
یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ کلام اللہ میں بھی مطلوب ہیں' اور صوفیائے کرام کا اشارات
واعتبارات درحقیقت علم تفسیر کا جزء نہیں ہیں بلکہ قرآن شریف کے سننے کے وقت
بعض باتیں سالک کے قلب پر ظاہر ہوتی ہیں جو نظم قرآن مجید اور اُس حال سے جو سالک
پر طاری ہوتا ہے یا اُس معرفت سے جو اُسکو حاصل ہوتی ہے پیدا ہوتی ہیں اسکی ایسی مثال
ہے کہ کوئی عاشق لیلیٰ و مجنوں کا قصہ سُنے اور اُس کی وجہ سے وہ اپنی محبوبہ کو یاد کرے
اور نیز اُس کے اُن واقعات کی تصویر جو محبوبہ کیساتھ گذر چکے ہیں اسکی نظروں کے سامنے کھنچ جائے

یہاں ایک اہم بالشان فائدہ ہے اُسکو جان لینا چاہئے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے تعبیر رؤیا کے فن کو معتبر قرار دیا ہے اور اس راہ کو خود حل کر دکھایا ہے تاکہ تعبیر رؤیا امت کے
لئے سنت نبوی بنجائے اور اُن پر وہبی علوم میں سے ایک دوسری راہ کا دروازہ کھل جائے
مثلاً آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی مسئلہ تقدیر کی تمثیل میں بیان کیا جاتا ہے اگرچہ آیت کا مفہوم یہ
ہے کہ جس شخص نے یہ افعال کئے اُس کو جنت کی بے بہا نعمتیں عطا کیجائیں گی - اور جو اُنکے
خلاف کام کا مرتکب ہوگا اُس پر دوزخ اور عذاب کا دروازہ کھولا جائیگا' لیکن فنِ تعبیر کی
راہ سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر ایک شخص کو ایک ایسی مخصوص حالت کے لئے پیدا فرمایا ہے اور
وہ حالت اُس پر طاری ہوتی ہے خواہ وہ واقف نہ ہوتا ہو - اسلئے اس آیت کو تقدیر کے مسئلہ
سے ربط ہو گیا علیٰ ہذا آیت وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ
نے ہر شخص کو نیکی اور بدی پر مطلع فرمایا لیکن نیکی اور بدی کی صورت علمیہ کے پیدا کرنے کو نفخ روح
کے وقت ان کو اجمالاً پیدا کرنے کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے بذریعہ اعتبار کے
اس آیت سے مسئلہ تقدیر میں دلیل لے سکتے ہیں - واللہ اعلم .

فصل

غرائب قرآنی جن کو احادیث میں مزید اہتمام اور فضیلت سے خاص کیا گیا ہے اُن کے چند انواع ہیں۔ تذکیر بآلاء اللہ کے فن میں غریب وہ آیت ہے جس میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا بڑا مجموعہ ہو جیسے آیۃ الکرسی، سورۂ اخلاص اور سورۂ حشر کی آخر کی آیتیں، اور سورۂ مومن کی اول کی۔ اور تذکیر بایام اللہ میں غریب وہ آیت ہوگی جس میں کوئی قلیل الذکر قصہ بیان کیا جائے، یا کسی معلوم قصہ کو اس کی پوری تفصیل سے ذکر کیا جائے یا کسی ایسے بہت مفید واقعہ کو جسمیں حصولِ عبرت کے متعدد پہلو ہوں ذکر کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کی ہمراہی کے قصہ میں فرمایا کہ میری آرزو تھی کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے ہمراہ اور زیادہ صبر کرتے تاکہ خدا تعالیٰ ہم سے اُس قصہ کو اور زیادہ ذکر فرماتا۔ اور تذکیر بالموت اور مابعد الموت کے فن میں غریب وہ آیت ہے جو کہ حالاتِ قیامت کے لئے جامع ہو۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قیامت کو کھلی آنکھوں سے دیکھنے کا آرزو مند ہو اُس سے کہدو کہ وہ سورۂ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ کو پڑھے اور فنِ احکام میں غریب ایسی آیت ہے کہ جو حدود کے بیان اور وضعِ خاص کی تعیین کو شامل ہو مثلاً حدِ زنا میں سو دُرّے کی تعیین اور تین حیض اور تین طہر کی تخصیص مطلقہ کی عدت میں اور میراث کے حصوں کی تعیین۔ اور فنِ مخاصمہ میں غریب وہ آیت ہے جس میں جواب ایسے عجیب و غریب اسلوب پر بیان کیا جائے جو کہ شبہ کو نہایت کامل طریقہ سے اُٹھائے، یا اُس میں فریق مقابل کے حال کو ایک واضح مثال کیساتھ بیان کیا جائے کمثل الذی استوقد نارًا" علیٰ ہذا بت پرستی کی قباحت اور خالق و مخلوق اور مالک و مملوک کے مراتب کا فرق عجیب اسلوب سے بیان کیا جائے، یا ریاکاروں اور طالبانِ شہرت کے اعمال کی ضبطی کو

بلیغ اسلوب کے ساتھ بیان کیا جائے۔ غرائب قرآنی انھیں ابواب مذکورہ میں محصور نہیں ہیں بسا اوقات غرابت کلام کی بلاغت اور اسلوب کی شیرینی سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً سورۂ الرحمٰن۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا نام حدیث میں عروس القرآن رکھا گیا ہے اور کبھی غرابت شقی اور سعید کے باہمی فرق کی تصویر کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے لکل آیۃ منہا ظہر وبطن ولکل حد مطلع[1] (قرآن شریف کی ہر ایک آیت کیلئے ایک معنی ظاہری اور ایک باطنی ہیں۔ اور ہر ایک حد کے لئے جھانکنے کی جگہ ہے) جاننا چاہئے کہ ان علوم پنجگانہ کا ظہر وہ چیز ہے جو کہ کلام کا مدلول اور مفہوم ہے اور باطن علم تذکیر بآلاء اللہ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کیا جائے۔ اور صحیح مراقبہ اور علم تذکیر بایام اللہ میں اُن قصوں سے مدح و ذم اور عذاب و ثواب کے موقوف علیہ کی پہچان ہے۔ اور نصیحت حاصل کرنا اور فن تذکیر بالجنۃ والنار میں امید و بیم کا ظہور اور اُن امور کو چشم دید کیفیت تک پہنچانا اور احکام کی آیتوں میں ان کے فحوے سے باریک و خفی احکام کا استنباط اور گمراہ فرقوں سے مباحثہ میں اُن مباحثوں کی اصل کی پہچان اور نیز اُن کے ساتھ اُن کی دوسری قباحتوں کو شامل کرنا کلام اللہ کے ظاہر کی اطلاع زبان عرب اور اُن آثار کے علم سے ہوتی ہے جن کا تعلق فن تفسیر سے ہے اور اُس کے ذہن کی لطافت اور استقامت اور نور باطن اور حالت سکینہ سے ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

علم تفسیر کے اُن وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا انبیاء علیہم السلام

---

[1] ومطلع کل حد الاستعداد الذی بہ تحصیل کمعرفۃ اللسان والآثار ولطافۃ الذہن واستقامۃ الفہم ۱۲

حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۴۵

کے قصوں کی تاویل بھی ہے۔ فقیر نے اس فن کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے اور تاویل سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر جاری ہے اُس کی رو سے ہر ایسے قصہ کے لیے جو اُس وقت واقع ہوا ہی ایک مبدأ پیغمبر اور اس کی قوم کی استعداد سے ہوتا ہے اور گویا انہی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ویعلمک من تاویل الاحادیث۔ دوسرے علوم پنجگانہ کی تنقیح میں درحقیقت کلام اللہ کا منطوق وہی ہیں مفصل بیان اس رسالہ کے شروع میں گذر چکا ہی اُس کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اُس کے علاوہ کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ اس طریقہ پر کہ وہ مقدار اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے یہ کام ہم نے فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن میں کیا ہی۔ اگرچہ بعض مقامات میں ہم نے ناظرین کے عدم فہم کے خوف سے بلا کسی تفصیل کے اس شرط کو ترک کر دیا ہے یا ماسوا اس کے خواص قرآنی کا علم ہی متقدمین نے کلام اللہ کے خواص میں دو طرح پر کلام کیا ہے۔ ایک تو دعا کے مشابہ اور دوسرے سحر کے مشابہ استغفر اللہ منہ۔ مگر فقیر پر خواص منقول کے علاوہ ایک جدید دروازہ کھولا گیا ہے حضرت حق جل شانہ نے ایک مرتبہ اسماء حسنیٰ اور آیاتِ عظمیٰ اور ادعیہ متبرکہ کو میری گود میں رکھ کر فرمایا کہ تصرفِ عام کے لئے یہ ہمارا عطیہ ہے۔ لیکن ہر ایک آیت اور اسم اور دعا ایسی شرائط کیساتھ مشروط ہی جو کسی قاعدہ میں سما نہیں سکتیں بلکہ اُس کا قاعدۂ اصلی عالم غیب کی طرف سے اشارہ کا انتظار ہوتا ہی، جیساکہ حالت استخارہ میں ہوتا ہی حتی کہ عالم غیب سے کسی خاص آیت یا اسم کا اشارہ ہوجاتا ہے اُس آیت یا اسم کو اُسی طور پر تلاوت کرنا چاہیئے جیساکہ اس فن والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

یہ ہیں وہ مضامین جن کے بیان کا اس رسالہ میں ہم نے قصد کیا تھا۔

والحمد للہ اولاً و آخراً وظاہراً و باطناً۔ تمت